رابعہ

(نفسیاتی ناول)

رئیس احمد جعفری

باراوّل   تعداد ایک ہزار

قیمت تین روپے

298566

[redacted]

مکتبہ جدید   اُردُو بازار   دہلی

(خواجہ پریس دہلی)

پہلا باب (۱)

پھر وہی دن تھے اور وہی راتیں، وہی بزم احباب، وہی نشاطِ شب وہی رنگ رلیاں اور وہی ہوس آرائیاں۔ رالعبہ اپنے والد کے تبادلے کے باعث اب مستقل طور پر بمبئی میں رہتی تھی۔ اور دوسرے تیسرے دن اسے ملنے آیا کرتی تھی۔ اور جب آتی تھی ایک نیا چرکہ آزاد کے جراحت ناآشنا دل پر لگا کر جاتی تھی۔ اور وہ تلملا کر رہ جاتا تھا۔ اس کی زندگی میں صرف رالعبہ ایک ایسی عورت داخل ہوئی تھی جس پر نہ تعلقی پر وہ قادر تھا، نہ راہ ورسم رکھنے پر، وہ نہیں آتی تھی تو جی چاہتا تھا۔ وہ آئے بیٹھے باتیں کرے، اور جب آجاتی تھی تو جی چاہتا تھا چلی جائے۔ جاتی جائے اور کبھی ادھر کا رُخ نہ کرے۔ ع

آئے وہ یاں خدا کرے پر نہ خدا کرے کہ یوں

نہ ایسے بنتی تھی نہ دیسے۔ یہ تیز و طرار لڑکی دن بدن اس کے جی کا

جنجال بنتی جارہی تھی۔ وہ بیک وقت رالعبہ سے نفرت بھی کرتا تھا اور محبت بھی
نفرت کی کوئی انتہا نہ تھی۔ اسی طرح محبت بھی غیر محدود تھی۔ اندرا
سے لے کر عالیہ تک نہ جانے کتنی لڑکیاں اس کے حضور میں سراپا سپردگی
بنا کر حاضر ہوئی تھیں اور وہ ان سے کھلونوں کی طرح کھیلتا رہا۔ جب تک جی
چاہا کھیلا جب چاہا الگ اٹھا کر طاق پر رکھ دیا۔ یا توڑ ڈالا۔ چکنا چور کر دیا۔
لیکن رالعبہ کھلونا نہیں صنم اکبر تھی۔ اسے پوجا تو جا سکتا تھا۔ لیکن اس کے ساتھ
بے ادبی اور گستاخی نہیں کی جا سکتی تھی۔ اسے توڑا پھوڑا نہیں جا سکتا بت پرست
کا کام مرگ پرستش ہے، تنقید نہیں۔ خواہ آرزو پوری ہو یا خاک میں ملجائے
رالعبہ کی تیکھی چتوں دیکھکر اس کی رُوکھی باتیں سن کر بارہا اس کا جی چاہا
کہ پوچھے ؎

وہ طریقہ تو بتا دو تمہیں چاہیں کیونکر

لیکن جرأت نہ ہو سکی۔

اور یہ رالعبہ واقعی تھی بھی عجیب و غریب لڑکی وہ بیک وقت سنگِ خارا
بھی تھی اور موم بھی، نوک نشتر بھی تھی اور مرہم بھی، درد بھی اور درد کا درماں
بھی۔ موت بھی اور زندگی بھی، جہنم بھی اور جنت بھی، وہ آزاد کے
پاس آتی، میٹھی باتیں کرتی اور باتوں باتوں میں آزاد کے تخیلات کو اس
کے وجود کو اس کی شخصیت اور کردار کو ادھیڑ کر رکھ دیتی تھی۔ وہ بڑی
بے رحم نقاد تھی۔ اور نہ مروت اور نہ عنایت اور جب یہ عمل جراحی
کر چکتی۔ اور آزاد پر نزع کی کیفیت طاری ہو جاتی تو وہ مسکراتی

میٹھی میٹھی باتیں کرتی۔ باتوں باتوں میں بڑی احتیاط اور وقار کے ساتھ اس کے
زخم دل پر مرہم رکھتی۔ الفاظ کے ذریعے نہیں حرف لب و لہجہ کے ذریعے
اپنے سارے دل شکن اور دل گداز الفاظ واپس لے لیتی اور جب آزاد
ذرا ہوش میں آ کر سنبھلتا۔ اپنا اور رالعبہ کا جائزہ لینے کی کوشش کرتا تو وہ
اٹھ کھڑی ہوتی۔

"اچھا آزاد صاحب پھر ملاقات ہوگی۔
اب اجازت دیجئے"

اور قبل اس کے کہ آزاد اور کچھ کہے یا کہہ سکے وہ تبسم کی بجلیاں گراتی
رخصت ہو جاتی۔ وہ چلی جاتی اور آزاد پر محویت کا عالم طاری ہو جاتا۔
بڑی دیر کے بعد وہ جھرجھری سی لے کر اٹھ کھڑا ہوتا۔ گویا ہوش میں آجاتا
اور پھر آہستہ آہستہ گنگنانے لگتا ؎

وہ کب کے آئے بھی اور گئے بھی
نظر میں اب تک سما رہے ہیں
یہ چل رہے ہیں وہ پھر رہے ہیں
یہ آ رہے ہیں وہ جا رہے ہیں

اور پھر ایک ٹھنڈا سانس لے کر صوفے پر دراز ہو جاتا۔ کوئی
اخبار پڑھنے لگتا، کوئی کتاب اٹھا لیتا، کسی سے فون پر باتیں کرنے لگتا۔
یا بیٹی کی کسی بزم نگاراں میں بیٹھکر شراب میں غرق ہو جاتا۔ ہوس کی نشاط
کاریوں میں کھو جاتا۔

آزاد ایک روز اپنے ہوٹل کے لان میں بیٹھا سمندر کی اتھڑ اور مچلتی ہوئی موجوں کی شوریدگی کا منظر دیکھ رہا تھا۔ طبیعت کچھ اداس سی تھی۔ ذہن میں کئی پروگرام تھے جو زیرِ غور تھے۔ لیکن وہ ابھی تک کوئی فیصلہ نہیں کر پایا تھا۔ یکایک اس کی قوتِ شامہ نے ایک قسم کی روح پرور بھینی بھینی خوشبو محسوس کی۔ نظر اٹھا کر دیکھتا۔ رابعہ کھڑی مسکرا رہی تھی۔ وہ اس کے استقبال کو اٹھ کھڑا ہوا۔

"آیئے مس رابعہ"

وہ سامنے کی کرسی پر بیٹھ گئی۔

رابعہ :۔ میں مخل تو نہیں ہوئی آکر؟

آزاد :۔ جی نہیں، بے گانگی کی باتیں نہ کیا کیجئے۔

"آپ کے آنے سے خوشی ہوتی ہے مجھے"

رابعہ :۔ شکریہ! جی تو میرا بھی بہت لگتا ہے۔

آپ کے پاس اس لئے جہاں میں نے فرصت پائی اور بھاگی بھاگی آپ کے پاس آئی۔ میں آپ کے کمرے میں گئی تھی۔ وہاں آپ نہیں تھے۔ تو بڑی کوفت ہوئی۔ واپس جانے کے بعد تو لانج میں آپ کی جھلک سی نظر آئی بس خوشی خوشی ادھر آ گئی"

آزاد :۔ بہت اچھا کیجئے اب کیا کر رہی ہیں آپ آج کل؟

رابعہ :۔ ایم۔ اے کر چکی۔ پی۔ ایچ۔ ڈی کی تیاری کر رہی ہوں۔ کبھی خیال آتا ہے وکالت کا امتحان دے دوں۔ والد کا خیال ہے انگلستان

چلی جاؤں، اور وہاں سے کوئی ڈگری لے آؤں۔ ابھی تک کوئی فیصلہ نہیں کر سکی۔ بتایئے آپ کی کیا رائے ہے۔

آزاد :۔ میری رائے آپ کیوں ماننے لگیں۔

رابعہ :۔ یہ تو نہ کہئے بات ماننے والی ہونی چاہئے۔ کیوں نہ مانوں گی

آزاد :۔ آپ کی عمر کیا ہے؟

رابعہ :۔ مسکراتے ہوئے۔ آپ کو معلوم ہونا چاہئے۔ عورت کبھی اپنی عمر صحیح نہیں بتاتی، لیکن اس سوال سے آپ کا مطلب

آزاد :۔ میرا مطلب یہ ہے کہ کافی پڑھ لیا۔ اب گھریلو زندگی بسر کیجئے منگنی تو آپ کی ہو چکی ہوگی۔؟

رابعہ :۔ ہاں ہوئی تو تھی۔ لیکن میں نے شعور حاصل کرنے کے بعد پہلا کام یہ کیا کہ اسے مسترد کر دیا۔

آزاد :۔ زیرِ لب تبسم کے ساتھ، ارے یہ کیوں؟

رابعہ :۔ وہ ایک بے وقوف اور بر خود غلط آدمی تھا۔ بھلا ایسے آدمی کے ساتھ زندگی بسر کی جا سکتی ہے؟

آزاد :۔ بڑی جرأت سے کام لیا آپ نے، میں آپ کو مبارک باد دیتا ہوں۔ ہماری لڑکیوں میں اتنی اخلاقی جرأت بہرحال ہونی چاہئے کہ وہ اپنے محضرِ قتل پر دستخط کرنے سے انکار کر دیں۔

رابعہ :۔ آپ کے ان الفاظ نے میرے ارادے کو اور زیادہ مستقل کر دیا ہے

آزاد: لیکن کسی نہ کسی پر آپ کی نگاہ انتخاب پڑی تو ہوگی؟

رابعہ: (مسکرا کر) جی نہیں۔ سچ پوچھئے تو اس بات کو میں نے ابھی سوچا بھی نہیں۔ ہر کام اور ہر بات کا ایک وقت ہوتا ہے، اور وہ وقت ابھی نہیں آیا۔

آزاد: اب بات چل پڑی ہے تو ایک سوال ضرور کروں گا۔ خواہ آپ خفا ہی کیوں نہ ہو جائیں۔ یہ بتائیے آپ اپنا رفیق حیات کس طرح کا آدمی کو منتخب کرنا چاہتی ہیں؟

رابعہ: (زیر لب تبسم کے ساتھ) بتا دوں؟

آزاد: ضرور بتائیے، مجھے بڑی دلچسپی ہے آپ کے انتخاب سے۔

رابعہ: میں اپنا رفیق حیات جس شخص کو بنا سکتی ہوں، اس میں کم از کم وہ خوبیاں تو ہوں جو آپ میں ہیں۔

آزاد: (خوش ہو کر) یہ تو بالکل نئی بات معلوم ہوئی۔ کیا مجھ میں کچھ خوبیاں بھی نظر آتی ہیں آپ کو؟

رابعہ: جی ہاں! یقیناً، لیکن خوبی، اچھائی یہ اضافی الفاظ ہیں۔

آزاد: میں نہیں سمجھا۔ آپ کیا کہنا چاہتی ہیں؟

رابعہ: میرے کہنے کا مطلب یہ ہے کہ کوئی چیز بجائے خود کچھ نہیں ہے۔ نہ اچھی ہے نہ بری۔ ہمارا نقطۂ نظر اسے اچھا یا برا بنا دیتا ہے۔

آزاد: میں یہی کہوں گا۔ الفاظ سمجھ میں آ گئے بڑے اچھے ہیں۔ مطلب سمجھ میں نہیں آیا۔ بالکل مبہم ہے۔ اپنا مطلب اگر آپ مثال دے کر

واضح کر سکیں تو اچھا ہو۔

رابعہ: جو چیز مجھے اچھی لگتی ہے، ممکن ہے وہ دوسرے کو بری لگتی ہو۔ اسی طرح دوسرا ایک چیز کو پسند کرتا ہے، ہو سکتا ہے میں اسے بالکل ناپسند کروں۔ یہی حال اچھائی برائی کا ہے۔ مثلاً یوں سمجھئے آپ کی جو باتیں اندرا کو پسند ہیں میں ان سے نفرت کرتی ہوں اور جو باتیں میں پسند کرتی ہوں انہیں اندرا یا کسی بھی لڑکی کو پسند کرنے کا پورا پورا حق ہے۔

آزاد: (تلملا کر) پھر آپ نے بے تکی باتیں شروع کر دیں۔ میں اکتا چکا ہوں، آپ کی ان باتوں سے۔

رابعہ: آپ تو خفا ہو جاتے ہیں۔ ذرا ذرا سی باتوں میں۔ شاید یہ عمر کا تقاضا ہے۔

آزاد: (برافروختہ ہو کر) کیا آپ کا مطلب یہ ہے کہ میں بوڑھا ہو چکا ہوں۔

رابعہ: کیا آپ کو اس سے انکار ہے؟

آزاد: قطعاً انکار ہے، میری عمر زیادہ سے زیادہ ۴۵ سال ہے اور آپ کو معلوم ہونا چاہئے کہ ایڈورڈ ہشتم نے ۴۸ سال کی عمر میں مسز سمپسن سے شادی کی تھی۔

رابعہ: لوگ تو ۷۰ سال کی عمر میں بھی شادی کرتے ہیں۔ لیکن یہ شادی کرنے والا لازمی طور پر جوان نہیں ہوتا۔ آپ نے اپنی عمر ۴۵ سال بتائی ہے اور مجھے شبہ ہے کہ یہ صحیح ہے۔ لیکن اگر صحیح ہو تو بھی، اس

بات سے چڑھ کر آپ نے خود ہی اپنے بوڑھے ہونے کا ثبوت دیدیا مجھے یا میری کسی ہم عمر لڑکی کو اگر کوئی بوڑھا کہے تو ہم ہنس دیں گے۔ آپ کی طرح خفا نہیں ہو جائیں گے۔ آپ خفا اس لئے ہوئے کہ یہ بات سچی تھی اور آپ کو کڑوی لگی۔"

آزاد:۔ پریشان ہو کر۔ مس رابعہ تم کیا چیز ہو۔ یہ میری سمجھ میں آج تک نہیں آیا۔

رابعہ:۔ میں ایک حقیر ہستی ہوں۔

آزاد:۔ نہیں، تم کوئی ایک عجیب و غریب مخلوق ہو۔ تم میری موت ہو۔ تم میرا جنون ہو، تم میری کمزوری ہو۔ تم میرا ردِ عمل ہو۔ تم ــــ میں کیا کہوں تم کیا ہو؟"

رابعہ (تبسم کو روکنے کی کوشش کرتے ہوئے) آپ تو مجھے بنانے لگے۔

آزاد:۔ نہیں میں سچ کہتا ہوں۔ میں تمہاری طرف بڑھتا ہوں۔ تم پیچھے ہٹ جاتی ہو۔ میں پیچھے ہٹنے لگتا ہوں۔ تم میری طرف لپکنے لگتی ہو۔ میں تم سے محبت کا اظہار کرتا ہوں تو یکلخت نفرت بن جاتی ہو۔ پھر میں اپنی طبیعت کا خیال اپنے دل سے نکال کر تم سے بے پرواہ ہونا چاہتا ہوں، تم لگاوٹ کی باتیں کرنے لگتی ہو۔ عین اسی وقت جب میں یہ محسوس کرنے لگتا ہوں کہ تم میری طرف راغب ہو، تمہارے زہر میں بجھے ہوئے الفاظ میرے جوش اور جذبے پر سرد پانی کی طرح اثر انداز ہوتے ہیں۔ اور

عین اس وقت جب میں یہ یقین کرنے لگتا ہوں کہ تم میری نہیں ہو سکتیں میری نہیں بن سکتیں۔ تم کہتی ہو میں اپنا رفیقِ حیات اسے بنانا چاہتی ہوں جس میں کم از کم وہ خوبیاں تو ہوں جو آپ میں ہیں اور جب ان الفاظ کے نشہ سے بیخود ہو کر میں انکا لطف لینے لگتا ہوں تو تم بوڑھا کہہ کر میرے منہ پر، میرے سینہ پر، میرے دل پر گھونسہ مار دیتی ہو۔ آخر ان باتوں کا مقصد کیا ہے؟"

رابعہ:۔ "آزاد صاحب اب مجھے اجازت دیجئے۔"

آزاد:۔ یہ ہے میری باتوں کا جواب؟ ــــ تم مسلسل میری توہین کرنے اور مجھے میری نظروں میں ذلیل کرنے پر کیوں تلی ہو؟"

رابعہ:۔ نہیں یہ بات نہیں ہے۔

آپ جوشِ جذبات سے مغلوب ہو رہے ہیں اس وقت کوئی سنجیدہ بات نہیں ہو سکتی۔ پھر کبھی۔

"آداب عرض ہے"

وہ چلی گئی اور آزاد اُسے نہ روک سکا۔

پھٹا کرتہ سینے کی کوشش کر رہی تھی۔ کہ جمیل آتا ہوا نظر آیا۔ جمیل کو آتا ہوا دیکھکر نہ جانے کیوں خدیجہ سہم سی گئی۔ جمیل کا چہرہ اس وقت بہت زیادہ بھیانک ہو رہا تھا۔ اس کی آنکھوں سے شعلے نکل رہے تھے۔ اس کے انداز و اطوار میں کچھ عجیب قسم کی قیادت جھلک رہی تھی۔ خدیجہ آگے بڑھی اور اس نے جمیل کو گلے سے لگا لیا۔ اور پھر پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔

جمیل نے آہستگی کے ساتھ اسے اپنے گلے سے الگ کیا پھر کھڑے کھڑے حاکمانہ لہجے میں پوچھا۔

جمیل :۔ "عالیہ کہاں ہے؟"

خدیجہ :۔ بیٹے اتنے دنوں کے بعد آئے ہو کچھ اپنا حال کہو۔ کچھ باتیں کرو تم نے آتے ہی اس طرح عالیہ کا ذکر چھیڑ دیا۔ جیسے میں نے کوئی جرم کیا ہے اور تم بازپرس کر رہے ہو۔

جمیل :۔ "چچی میں سب کچھ جانتا ہوں۔ مجھے سب کچھ معلوم ہو چکا ہے۔"

خدیجہ :۔ (آنکھوں میں آنسو بھر کر) اگر جانتے ہو تو مجھ سے کیوں پوچھتے ہو۔ کیا اس لئے کہ میرے زخموں کو ناسور بنا دو۔"

جمیل :۔ میں نے آپ سے افریقہ جاتے وقت کچھ کہا تھا یاد ہے۔

خدیجہ :۔ ہاں، تم نے کہا تھا۔ کہ میں عالیہ کا خاص طور پر خیال رکھوں۔"

جمیل :۔ آپ نے اس طرح خیال رکھا کہ وہ اپنی جان سے گذر گئی، اور آپ کچھ نہ کر سکیں۔ اس نے خودکشی کر لی۔ اور آپ اسے نہ روک سکیں۔ اسے

دوسرا باب (۲)

عالیہ کی پُراسرار موت نے خدیجہ کو کہیں کا نہ رکھا۔ اس کی جوان جہاں لڑکی نہیں مری اس کی آرزوئیں اور حسرتیں بھی مر گئیں، اس کی خوشی بھی مر گئی، اور وہ خود بھی زندہ درگور ہو گئی۔ اس نے شوہر کا داغ جدائی حوصلہ مندی کے ساتھ برداشت کر لیا تھا۔ لیکن عالیہ کا داغ وہ نہ برداشت کر سکی، اس کی زندگی میں گھن لگ گیا۔ زندگی کا ولولہ سرد پڑ گیا ـــــ اب وہ کیا کرے؟ کہاں جائے مسٹر دستور کو عالیہ کی مرگ ناگہانی کا کچھ کم صدمہ نہیں ہوا تھا۔ وہ نہ مرتی تھی۔ تو یہ بیچارے اپنا آخری دیوالہ نکالنے پر مجبور نہ ہوتے۔ لیکن خدیجہ کے رنج و غم کا عالم ہی کچھ اور تھا۔

وہ تصویر حرماں اور پیکر حسرت بنی اپنے غمکدے میں بیٹھی ایک

دوسرا باب (۲)

عالیہ کی پُراسرار موت نے خدیجہ کو کہیں کا نہ رکھا۔ اس کی جوان جہاں لڑکی نہیں مری اس کی آرزوئیں اور حسرتیں بھی مرگئیں، اس کی خوشی بھی مرگئی، اور وہ خود بھی زندہ درگور ہوگئی۔ اس نے شوہر کا داغ جدائی حوصلہ مندی کے ساتھ برداشت کرلیا تھا۔ لیکن عالیہ کا داغ وہ نہ برداشت کرسکی، اس کی زندگی میں گھن لگ گیا۔ زندگی کا ولولہ سرد پڑگیا —— اب وہ کیا کرے؟ کہاں جائے مسٹر دستور کو عالیہ کی مرگ ناگہانی کا کچھ کم صدمہ نہیں ہوا تھا۔ وہ نہ مرتی تو یہ بیچارے اپنا آخری دیوالہ نکالنے پر مجبور نہ ہوتے۔ لیکن خدیجہ کے رنج وغم کا عالم ہی کچھ اور تھا۔

وہ تصویر حرماں اور پیکر حسرت بنی اپنے غمکدے میں بیٹھی ایک

پھٹا کرتہ سینے کی کوشش کر رہی تھی۔ کہ جمیل آتا ہوا نظر آیا۔ جمیل کو آتا ہوا دیکھکر نہ جانے کیوں خدیجہ سہم سی گئی۔ جمیل کا چہرہ اس وقت بہت زیادہ بھیانک ہو رہا تھا۔ اس کی آنکھوں سے شعلے نکل رہے تھے۔ اس کے انداز واطوار میں کچھ عجیب قسم کی قیادت جھلک رہی تھی۔ خدیجہ آگے بڑھی اور اس نے جمیل کو گلے سے لگا لیا۔ اور پھر پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔

جمیل نے آہستگی کے ساتھ اسے اپنے گلے سے الگ کیا پھر کھڑے کھڑے حاکمانہ لہجے میں پوچھا۔

جمیل :۔ "عالیہ کہاں ہے؟"

خدیجہ :۔ بیٹے اتنے دنوں کے بعد آئے ہو کچھ اپنا حال کہو۔ کچھ باتیں کرو تم نے آتے ہی اس طرح عالیہ کا ذکر چھیڑ دیا۔ جیسے میں نے کوئی جرم کیا ہے اور تم بازپرس کر رہے ہو۔

جمیل :۔ "چچی میں سب کچھ جانتا ہوں۔ مجھے سب کچھ معلوم ہو چکا ہے"

خدیجہ :۔ (آنکھوں میں آنسو بھر کر) اگر جانتے ہو تو مجھ سے کیوں پوچھتے ہو۔ کیا اس لئے کہ میرے زخموں کو ناسور بنا دو"

جمیل :۔ میں نے آپ سے افریقہ جاتے وقت کچھ کہا تھا یاد ہے۔

خدیجہ :۔ ہاں۔ تم نے کہا تھا۔ کہ میں عالیہ کا خاص طور پر خیال رکھوں"

جمیل :۔ آپ نے اس طرح خیال رکھا کہ وہ اپنی جان سے گزر گئی، اور آپ کچھ نہ کرسکیں۔ اس نے خودکشی کرلی۔ اور آپ اسے نہ روک سکیں۔ اسے

ایک قصاب نے ذبح کر دیا۔ اور آپ اس کے ہاتھ سے چھری نہ چھین سکیں

خدیجہ:۔ "ہاں بیٹے میں کچھ نہ کر سکی"

جمیل:۔ "آپ نے میری امانت مٹی میں ملا دی۔ مجھے کہیں کا نہ رکھا"

خدیجہ:۔ "لیکن بیٹے! وہ تمہاری صرف امانت تھی، میری زندگی تھی، روح تھی۔ اس کے سہارے میں جیتی تھی، وہ میری آنکھ تھی، میری زبان تھی وہ میرا دماغ تھی، وہ میرا دل تھی۔ جس دن سے وہ مری ہے، میں اندھی ہو گئی ہوں، گونگی ہو گئی ہوں، بہری ہو گئی ہوں، پاگل ہو گئی ہوں۔ میں جانتی ہوں تم اس سے محبت کرتے تھے، لیکن بیٹے پرانا مانو تو کہوں تم عالیہ کے بعد بھی کسی کو اپنا محبوب بنا سکتے ہو، لیکن ذرا میرے حال پر غور کرو، کیا مجھے بھی عالیہ کا نعم البدل مل سکتا ہے، مجھے بھی کوئی بیٹی مل سکتی ہے، مانتی ہوں۔ تمہیں عالیہ کی مرگ بے ہنگام کا صدمہ ہے اور بہت زیادہ ہے۔ لیکن کیا وہ صدمہ اس صدمہ کا مقابلہ کر سکتا ہے جو مجھے ہے۔؟ ایک ماں کو، ایک بیوہ ماں کو، ایک بوڑھی ماں کو اپنی اکلوتی بچی کا؟"

جمیل:۔ "آپ سے یہ بھی نہ ہو سکا کہ اس ظالم اور ستمگر کا کھوج لگائیں۔ جو اس کی موت کا سبب ہے"

خدیجہ:۔ "ہاں! یہ میں نہ کر سکی، اس لئے کہ ایک عورت ہوں"

جمیل:۔ "آپ نے فوراً مجھے اطلاع کیوں نہ کی؟"

خدیجہ:۔ "تم آ کر کیا کر لیتے"

جمیل:۔ "میں اس کا سراغ لگاتا، وہ تحت الثریٰ میں ہوتا۔ یا فلک الافلاک پر، میں اس کو ڈھونڈھ نکالتا، اور انتقام لیتا اور مار ڈالتا اسے"

خدیجہ:۔ "یہ اب بھی کر سکتے ہو"

جمیل:۔ "ضرور کروں گا۔ وہ میرے ہاتھ سے بچ کر نہیں جا سکتا۔"

خدیجہ:۔ "کیا تم اسے مار ڈالو گے؟"

جمیل:۔ "ہاں یہ میرا فرض ہے۔ اور اس فرض کو میں انجام دے کر رہوں گا"

خدیجہ:۔ "نہیں بیٹے ایسا نہ کرو۔"

جمیل:۔ "یہ آپ کہہ رہی ہیں؟ یا ایک ماں کہہ رہی ہے، بیوہ ماں، بوڑھی ماں جسے اپنی اکلوتی بچی کا غم مرگ سہنا پڑا"

خدیجہ:۔ "ہاں! یہ میں کہہ رہی ہوں، عالیہ اب واپس نہیں آ سکتی پھر اس جوش جنوں سے حاصل؟ تم ابھی نوجوان ہو۔ تمہیں زندہ رہنا چاہیئے"

جمیل:۔ "زندگی آپ کو مبارک، مجھے موت مرغوب ہے، میں موت کا آرزومند ہوں، عالیہ کے بعد یہ زندگی میری شہ رگ میں کانٹے کی طرح چبھ رہی ہے"

خدیجہ:۔ "صبر سے کام لو بیٹے۔"

جمیل:۔ "صبر —— میری ساری عمر صبر ہی کرتے گزری ہے اور

اب صبر کا دامن ہاتھ سے چھوٹ گیا ہے۔ میں اس سے محبت کرتا تھا۔

خدیجہ :۔ ہاں میں جانتی ہوں

جمیل :۔ میں اسے آرام سے، سکھ سے اور راحت سے رکھنا چاہتا تھا۔

خدیجہ :۔ "یہ بھی معلوم ہے بیٹے"

جمیل :۔ میں نے اس لئے افریقہ کا سفر اختیار کیا تھا کہ دولت کماؤں۔ میں نے دولت کمائی، اور امیر کبیر بن کر واپس آیا۔ لیکن جب واپس آیا تو وہی نہ تھی۔ جس کے لئے میں نے پاپڑ پیلے تھے ——"

اور یہ کہہ کر جمیل پھوٹ پھوٹ کر رونے لگا۔

خدیجہ نے اسے پھر گلے سے لگا لیا۔ اور اس کے آنسو پونچھتے ہوئے کہا۔

"میں تیرے دکھ اور رنج کو پوری طرح محسوس کرتی ہوں بچے لیکن عقل سے کام لے تیری زندگی تیری نہیں۔ تیرے خاندان کی ہے"

جمیل :۔ ان باتوں سے میرا ارادہ نہیں بدل سکتا۔ میرا فیصلہ نہیں تبدیل ہو سکتا"

خدیجہ :۔ "لیکن وہ شخص ہے کون۔

جمیل :۔ "یہ تو میں بھی نہیں جانتا"

خدیجہ :۔ پھر تو انتقام کس سے لے گا۔

جمیل :۔ اس کمینے انسان سے جسے عالیہ اپنی معصومیت کے سبب شہزادہ

کہا کرتی تھی"

خدیجہ :۔ "دستور نے بھی اسے بہت تلاش کیا کہتا تھا اگر مل جائے تو جیل بھجوا دوں لیکن وہ نہ مل سکا۔ آخر دستور شہر چھوڑ کر نہ جانے کہاں چلا گیا"

جمیل :۔ "میں دستور نہیں، جمیل ہوں۔ میں اسے جیل کی نہیں جہنم کی سیر کراؤں گا، میں یہ شہر چھوڑ کر کہیں نہیں جاؤں گا، یہیں رہوں گا۔ اور اسے کیفر کردار تک پہنچا کر دم لوں گا۔

خدیجہ :۔ "اچھا یہ تم سب کچھ کر لینا، لیکن یہ تو بتاؤ آئے کب؟"

جمیل :۔ "مجھے آئے ہوئے ایک ہفتہ ہوا ہے اور اس ایک ہفتہ میں ایکہزار بار اسے تلاش کر چکا ہوں۔ میں نے ہر ہر گلی چھان ماری۔ ہر ہر کوچہ میں ڈھونڈا، میری تلاش اس وقت تک جاری رہے گی جب تک عالیہ کے شہزادے کو جہنم رسید نہ کر لوں —— میں آپ سے صرف یہ معلوم کرنے آیا ہوں" کیا عالیہ کے کاغذات میں اس کمینے انسان کا کوئی خط کوئی تصویر کوئی ذکر ہی"

خدیجہ :۔ "نہیں —— میں نے بھی بہت تلاش کیا اور دستور نے بھی"

جمیل :۔ "کس قدر چالاک اور بد اندیش ہے وہ شخص"

خدیجہ :۔ "بہت زیادہ، یہی دستور بھی کہتا تھا"

جمیل :۔ (چیخ کر) چچی جان میرے سامنے دستور کا نام نہ لیجئے، ورنہ میں اس کی گردن بھی گھونٹ دوں گا۔ وہ دستور ہی تھا جس نے عالیہ کا تعارف اس بدمعاش سے کرایا۔ اور دونوں کو ملنے کے بار بار مواقع دیے محض اس لالچ میں کہ اس شہزادے کی کچھ دولت اسکی جیب میں بھی

پہنچ جائے۔ دستور اس لئے نہیں بھاگا ہے کہ وہ دیوالیہ ہو گیا تھا۔
اس لئے بھاگا ہے، کہ اسے خود اپنے گرفتار ہونے کا اندیشہ ہو گیا تھا۔
بہرحال بہت جلد دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی الگ ہو کر رہے گا۔

تیسرا باب (۳)

جمیل کا ایک بے تکلف اور گہرا دوست تھا۔ محمود، یہ جمیل کے ساتھ افریقہ گیا تھا، وہاں دونوں نے دل لگا کر روپیہ کمایا، محمود کو دھن تھی کہ دولت کمائے اور اپنے مائل بہ زوال خاندان کا پھر وہی معیار حیات قائم کر دے۔ جو اس کے والد کے زمانے میں تھا۔ اس کے والد بہت بڑے تاجر تھے۔ لیکن ان کی ناگہانی موت اور محمود کی کم سنی نے حالات ابتر کر دیئے، اور یہ امیر خاندان غریب کی زندگی بسر کرنے پر مجبور ہو گیا۔ جمیل پر بھی دولت کمانے کا نشہ چھایا ہوا تھا۔ وہ اس لئے امیر بننا چاہتا تھا کہ عالیہ کو حاصل کر سکے وہ دل و جان سے عالیہ کو چاہتا تھا۔ لیکن صرف مطلب زبان تک لاتے ہوئے اپنی غربت کے باعث ہچکچاتا تھا۔ اب یہ دونوں روپیہ کما کر واپس آ چکے تھے، محمود نے تو آتے ہی نیاز کے ساتھ مل کر تجارت شروع کر دی۔ لیکن جمیل اپنی الجھنوں

میں ایسا گرفتار رہا کہ اس سے مل بھی نہ سکا۔ آخر ایک روز محمود نے خود اسے پکڑا، اور مجبور کیا کہ وہ بھی اس کی لمیٹڈ کمپنی میں شریک ہو جائے، وہ خود تو عالیہ کے شہزادے کی تلاش میں ایسا مصروف و منہمک تھا کہ بطور خود کوئی کاروبار شروع کرنے کی نہ فرصت تھی نہ رغبت، محمود نے اسے ایسا اونچ نیچ سمجھایا ماں، بہنوں اور بھائیوں کا واسطہ دیا کہ وہ شرکت پر آمادہ ہو گیا۔ اور سارا اثاثہ بے تأمل اس کے حوالے کر دیا۔

اس کاروبار سے جمیل کو بس اتنا ہی تعلق تھا کہ اس نے روپیہ لگایا تھا۔ باقی اسے معاملات سے کوئی سروکار نہ تھا۔ نہ کبھی اس نے حساب کتاب دیکھا۔ نہ پوچھ گچھ کی، نہ جانچ پڑتال کی۔ وہ دفتر بھی کبھی نہیں جاتا تھا۔ اگر کبھی جاتا بھی تھا تو کھڑے کھڑے محمود سے ملاقات کرنے، مگر محمود پابندی کے ساتھ ایک ہزار روپیہ جمیل کی ماں کو ہر مہینہ کی پہلی تاریخ کو دے آتا تھا۔

گاڑی اسی طرح چل رہی تھی۔ جمیل کی دنیا سے بیزاری بڑھتی جا رہی تھی اس کی ماں پریشان تھی کہ جوان جہان لڑکا ہاتھ سے نکلا جا رہا ہے۔ بہنیں بھی اس کا یہ حال زار دیکھ دیکھ کر کڑھا کرتیں اور رویا کرتیں، چھوٹے بھائی بھی اب اس کے لطف محبت سے محروم ہونے کے باعث کچھ سہمے سہمے رہتے تھے، وہ کئی کئی دن گھر سے غائب رہتا تھا، اور جب آتا تھا تو کچھ کھویا کھویا سا کھانا ملا تو کھا لیا، نہ ملا تو منہ ڈھانک کر بستر پر پڑ رہا۔ ماں کچھ پوچھتیں تو ہوں ہاں کر کے ٹال جاتا، بہنیں استفسار کرتیں تو ایک سوگوار تبسم کے سوا کچھ جواب نہ ملتا، بھائیوں کی تو ہمت ہی نہ پڑتی کہ اس سے کچھ

دریافت کریں۔

محمود رفتہ رفتہ اب اس کے گھر کا ایک فرد بن گیا تھا۔ جمیل کی ماں اور بہنیں اسے جمیل کا قائم مقام سمجھتی تھیں۔ وہ بے تکلفانہ گھر میں آتا جاتا رہتا تھا۔ ایک روز کئی دن کے بعد آیا تو دیکھا کہ جمیل کی ماں موجود نہیں ہے۔ اس کی چھوٹی لیکن دوسری بہنوں سے بڑی بہن شاہین چپ چپ اور اداس سی بیٹھی ہے۔ محمود اس کی ذہانت اور فراست سے بہت متأثر تھا۔ صورت شکل کے اعتبار سے بھی وہ خاص کشش رکھتی تھی، اور محمود غیر محسوس طور پر آہستہ آہستہ اس کی طرف کھنچنے لگا تھا۔ وہ سیدھا شاہین کے پاس پہنچا اور اس سے کہا۔

"کیا بات ہے آج سارا گھر کچھ سنسان سا نظر آ رہا ہے، چچی جان نظر نہیں آتیں۔ نسرین اور پروین الگ منہ سجائے بیٹھی ہیں۔ اختر اور مسعود ہر وقت کھیلتے اور شرارت کرتے نظر آتے تھے وہ بھی متین اور سنجیدہ بنے بیٹھے ہیں۔ تمہاری آنکھوں میں ذہانت اور شرارت کی بجلیاں کوندا کرتی تھیں لیکن آج تم بھی گم سم نظر آتی ہو، آخر یہ کیا ماجرا ہے؟"

شاہین نے کوئی جواب نہیں دیا۔ اس کی آنکھوں سے آنسو کے بڑے بڑے قطرے ٹپکنے لگے۔

محمود:۔ خدا کے لئے بتاؤ کیا بات ہے شاہین۔

شاہین:۔ تین دن سے بھیا لاپتہ ہیں، ایسا تو کبھی نہیں ہوا تھا۔ امی انہی کو ڈھونڈنے گئی ہیں۔ کل بھی دن بھر تلاش کرتی رہیں۔ آج بھی صبح سے

گئی ہوئی ہیں۔

محمود:۔" ارے تو وہ دیوانہ تین دن سے غائب ہے؟"

شاہین:۔" ہاں ـــــ کہیں خدانخواستہ انہیں کچھ ہو نہ گیا ہو۔ میں عالیہ سے بہت محبت کرتی تھی۔ لیکن اب اس کے نام سے نفرت کرتی ہوں۔ نہ وہ کمبخت مرتی، نہ بھیّا کا یہ حال ہوتا۔"

محمود:۔(مسکراتے ہوئے)" شاہین اتنی بے درد نہ ہو۔ محبت کرنے والوں کو بُرا کہنا بُری بات ہے۔"

شاہین:۔(طنز سے) محبت کرنے والے لوگ ـــــ وہ بھیّا سے محبت بھی نہیں کرتی تھی، وہ تو کسی اور کو چاہتی تھی۔"

محمود:۔(بات کاٹ کر) اس سے کیا ہوتا ہے، دل، دلیل اور منطق کا پابند نہیں ہوتا۔"

شاہین:۔ اسی لئے تو ٹھکرا دی گئی۔ سنا ہے اس نے خودکشی کر لی۔ اس لئے کہ اس کے "شہزادے" نے اسے ٹھکرا دیا تھا۔"

محمود:۔ ہاں میں نے بھی یہی سنا ہے، نہ جانے کیا بات ہوئی کہ اس بیوقوف انسان نے اتنی اچھی لڑکی کو ٹھکرا دیا۔"

شاہین:۔" ہمیں کیا معلوم ـــــ اور بھیّا کو دیکھئے دنیا و مافیہا سے بے خبر بس عالیہ کا کلمہ پڑھ رہے ہیں۔

محمود:۔ وہ سچا آدمی ہے، اس کی محبت بھی سچی ہے۔"

شاہین:۔ تو پھر کرتے رہیں اس سے محبت، وہ تو اس کے "شہزادے" کی

تلاش میں ہیں۔ کہیں مل جائے تو مار ڈالیں۔"

محمود:۔" بے وقوفی کی باتیں ہیں۔"

شاہین:۔" آپ نے انہیں سمجھایا کبھی؟"

محمود:۔ ہزار بار لیکن چڑھے جن کسی کے اُتارے کب اُترتے ہیں۔"

شاہین:۔" کہیں وہ کچھ کر نہ گذرے ہوں؟"

محمود:۔" کیسی باتیں کرتی ہو، جس شخص کو اس نے کبھی دیکھا نہیں۔ جس سے وہ کبھی ملا نہیں جس کے نام سے بھی ناواقف ہے، اسے قتل کس طرح کرے گا؟ جوش جنوں کی باتیں ہیں۔ کچھ عرصہ میں ٹھیک ہو جائے گا۔"

شاہین:۔ آپ تو بہت دنوں سے یہی کہہ رہے ہیں۔ نہ جانے کب ٹھیک ہوں گے بھیّا۔"

محمود:۔ بہت جلد ـــــ میں نے اسے ڈاکٹر واسطی کو دکھایا تھا جو بہت بڑے ماہر نفسیات ہیں، وہ کہتے ہیں اس کی حالت درست ہو جائے گی۔ لیکن اسے اس کے حال پر رہنے دو۔"

شاہین:۔" (معصومیت کے ساتھ)" وہ تو بے وقوف سے معلوم ہوتے ہیں مجھے!"

محمود:۔ (قہقہہ لگا کر) ارے یہ کیوں، اتنے بڑے ماہر فن کو بیوقوف کہتی ہو۔"

شاہین:۔ بھلا یہ بھی کوئی علاج ہوا، کہ مریض کو اس کے حال پر رہنے دیا جائے۔"

محمود:۔ "ہاں شاہین! یہ بہت بڑا اور بہت اچھا علاج ہے، تم نہیں جانتیں۔ بہرحال یقین کرو، میں تم لوگوں سے کم جمیل کو نہیں چاہتا۔ مجھے اس کی فکر ہے۔ میں اس سے غافل نہیں ہوں۔ اگر ضرورت ہو تو اس پر اپنی جان بھی قربان کر سکتا ہوں۔"

شاہین:۔ (ممنون نظروں سے دیکھکر) "یہ تو ہم سب مانتے ہیں۔ ایک آپ ہی تو ہیں جو ہم بے سہارا لوگوں کا سہارا بنے ہوئے ہیں۔ اماں تو آپ کو بالکل بیٹوں کی طرح چاہتی ہیں۔ لیکن اب آپ بھی کم کم آنے لگے ہیں۔ شاید اکتا گئے ہم لوگوں سے۔"

محمود:۔ "اتنا بڑا الزام نہ لگاؤ۔ بات یہ ہوئی کہ میں کمپنی کے ایک کام سے ایک ہفتہ ہوا باہر چلا گیا تھا۔ آج ہی آیا ہوں اور سب سے پہلے یہیں آیا ہوں۔"

شاہین:۔ "اچھا تو آپ باہر گئے تھے، اماں بھی کہہ رہی تھیں، وہ کہیں باہر گیا ہوگا۔ ورنہ ضرور آتا۔ میں کہتی تھی یہیں ہیں، مگر نہیں آتے۔"

محمود:۔ "یہ کیوں کہا تم نے؟"

شاہین:۔ (ایک ادا کے ساتھ) "کہا پھر؟"

محمود:۔ "کیوں شاہین واقعی تم مجھے ایسا ہی سمجھتی ہو؟"

شاہین:۔ "(ذرا جھینپتے ہوئے) میں نے تو یوں ہی کہہ دیا تھا۔"

محمود:۔ "تو میں یقین کروں، تمہارا دل صاف ہے میری طرف سے؟"

شاہین:۔ "آپ بھی کیسی باتیں کرنے لگے۔ بھلا آپ سے اور دل صاف

نہ ہوگا۔ ہم لوگ آپ کو غیر سمجھتے کب ہیں۔"

محمود:۔ "شکریہ!"

شاہین:۔ "اب آپ کیسی باتیں کرنے لگے۔"

محمود:۔ "اچھا اپنے الفاظ واپس لیتا ہوں ——

—— اور خود بھی واپس جاتا ہوں!"

شاہین:۔ "بیٹھئے! اتنی جلدی کیوں جاتے ہیں ابھی تو آئے ہیں۔"

محمود:۔ تم نے جمیل کی طرف سے فکر مند کر دیا۔ دیکھوں کہاں چھپا بیٹھا ہے وہ دیوانہ۔ بہت پریشان کر دیا ہے اس شخص نے۔"

شاہین:۔ "اماں آگئیں —— اور بھیا بھی!"

چوتھا باب (۴)

محمود جمیل سے لپٹ گیا۔ دونوں کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ جمیل کی حالت اس وقت بہت زیادہ ابتر ہو رہی تھی، آنکھیں سرخ، کپڑے میلے، کئی دن سے اس نے شیو بھی نہ کیا تھا۔ سر کے بال بھی عجب بے ڈھنگے پن سے بڑھ آئے تھے۔ شاہین نے بھائی کی یہ حالت دیکھی تو رو پڑی۔ اس نے لرزتی ہوئی آواز میں پوچھا۔

"بھیا تم تین روز سے کہاں تھے؟"

جمیل نے تو کوئی جواب نہ دیا۔ البتہ محبت بھری نظروں سے اسے دیکھنے لگا۔ محمود نے دخل در معقولات کرتے ہوئے کہا۔

"شاہین کیا پوچھ رہی ہے، جواب کیوں نہیں دیتے؟"

جمیل نے اب بھی کوئی جواب نہیں دیا۔ اس کے ہونٹوں پر ایک افسردہ

ہنسی کی مسکراہٹ جھلک رہی تھی۔ محمود نے اس کی ماں سے پوچھا۔

"پھر آپ کو کہاں ملا؟"

"وہ کہنے لگی۔"

"کیا بتاؤں بیٹا کہاں ملا۔ تم نے بھی خبر نہ لی۔ یہ تین دن میرے اوپر قیامت کے گزرے ہیں۔"

محمود نے معذرت آمیز لہجہ میں کہا۔

"یہ تو آپ بجا فرماتی ہیں۔ میں شرمندہ ہوں۔ کہ ادھر کئی دن سے حاضر نہ ہو سکا۔ کمپنی کے کام سے باہر گیا ہوا تھا، آج ہی آیا ہوں، شاہین سے ابھی اسی دیوانے جمیل کے بارے میں باتیں ہو رہی تھیں، وہ بات کم کرتی تھی روتی زیادہ تھی۔ لیکن اس ظالم کو تو جیسے آپ لوگوں کی محبت ہی نہیں رہی"

اب جمیل بولا۔

"تم نے مجھے ان سب کی طرف سے مطمئن کر دیا ہے، ورنہ شاید موت کا اس آمادگی کے ساتھ استقبال کرنے کو میں تیار نہ ہوتا۔"

محمود نے ڈانٹا

"خاموش میں ابھی تم سے بات نہیں کر رہا ہوں۔"

(ماں سے مخاطب ہو کر) "آپ بتائیے یہ کہاں ملا ہے؟"

وہ بولی۔

"تین دن سے میں زمین کا گز بنی ہوئی ہوں، کوئی گلی، کوئی کوچہ کوئی محلہ ایسا نہیں ہے جہاں اس کی تلاش میں نہ گئی ہوں۔"

محمود نے سر ہلاتے ہوئے کہا

"بے شک، بے شک! ہاں تو پھر یہ کیسے دستیاب ہوا؟"

ماں نے اپنی نمناک آنکھوں کو دوپٹہ کے دامن سے پونچھتے ہوئے کہا!

اسی سے پوچھو! میں تھکی ہاری، مایوس ہو کر دادر سے واپس آرہی تھی کہ اسی بس میں مل گیا۔ جس پر میں تھی۔

محمود نے جمیل سے پوچھا

"کیوں جناب کہاں تھے آپ؟"

جمیل نے جواب دیا۔

ہم وہاں ہیں جہاں سے ہم کو بھی کچھ ہماری خبر نہیں آتی

محمود نے شاہین سے کہا۔

اب یہ میرے ساتھ جائیں گے۔ میں ان کی خبر لوں گا، خوب اچھی طرح اور جب راہ راست پر آجائیں گے تب انہیں واپس لاؤں گا۔

شاہین اس پر رضامند نہ ہو سکی بولی!

اتنے دن کے بعد تو آئے ہیں، آج نہ لیجائیے کل لیجائیے گا"

محمود مسکرانے لگا۔

لیکن اس کی ضمانت کون لیتا ہے کہ پھر نہیں غائب ہو جائیں گے۔

شاہین نے بڑی مستعدی کے ساتھ کہا۔

"میں سایہ کی طرح بھیا کے ساتھ رہوں گی۔ ایک پل کیلئے ان سے جدا

نہیں ہونے کی"

محمود راضی ہو گیا۔ جمیل کے آنے سے سارے گھر پر خوشی کا سماں چھا گیا۔ ہر شخص خوش نظر آرہا تھا۔ محمود جانے لگا تو شاہین نے اسے ٹوکا۔

"کہاں جارہے ہیں آپ؟"

محمود:۔ "گھر"

شاہین:۔ "تو چلے جائیے گا اتنی جلدی کیا ہے؟"

محمود:۔ "وہ تو ٹھیک ہے لیکن اب جانا ہی چاہئے"

شاہین:۔ بھیا کی آمد کی خوشی میں ابھی بڑے اچھے اچھے کھانے پکیں گے۔ کھا کر جائیے گا"

محمود:۔ پھر تو ضرور رک جاؤں گا۔ لیکن کیا پکائیے گا"

شاہین:۔ (مسکرا کر) ہر وہ چیز جو آپ کو ناپسند ہے۔ بتائیے کون کون سی چیزیں آپ ناپسند کرتے ہیں"

محمود:۔ "میں صرف دو چیزوں کا نام لیتا ہوں جن سے مجھے سخت نفرت ہے — شامی کباب اور شاہی ٹکڑے"

شاہین: بس تو یہ دو چیزیں ضرور پکیں گی۔ پھر دیکھوں گی۔ آپ کھاتے ہیں یا نہیں"

محمود:۔ میری رائے تو یہ ہے کہ میری ضد میں یہ دونوں چیزیں پکاؤ اور بہت سی پکاؤ اور سب میرے سامنے ڈھیر کر دو اور مجھے تاکید کر دو کہ سب ختم کر کے اٹھوں، سزا دو تو وہ یادگار تو ہو"

شاہین: (مسکراتے ہوئے) ایسا ہی ہوگا اطمینان رکھئے۔"

اب جمیل کی ماں سے ضبط نہ ہو سکا۔ وہ بول پڑیں، "واہ ری لڑکی وہ چیزیں کیوں نہیں پکاتی جو محمود کو مرغوب ہیں۔

شاہین: "امی آپ کو نہیں معلوم۔ یہی دو چیزیں تو بڑے شوق سے کھاتے ہیں یہ۔"

محمود ہنسنے لگا۔"

"یہ لیجئے۔ ایک تو پکوان پک رہا ہے جس سے مجھے نفرت ہے۔۔۔"

دوسرے مجھ پر بڑا الزام لگایا جا رہا ہے کہ میں اسے پسند بھی کرتا ہوں۔

دیکھ لیجئے اماں جان کتنا ظلم ہوتا ہے آپ کے گھر میں مجھ غریب پر۔

جمیل:۔ بنومت میں خوب جانتا ہوں تمہیں کیا چیز پسند ہے کیا ناپسند

—— شاہین! انہیں پلاؤ بھی بہت ناپسند ہے، "وہ بھی پکانا۔"

محمود:۔ "ہاں ضرور پکانا۔ آج میں وہ سب چیزیں کھاؤں گا جو جمیل کو مرغوب ہیں۔ لیکن جن سے میں نفرت کرتا ہوں۔"

"شاہین ہنسنے لگی اور اپنے کام میں لگ گئی۔ محمود و جمیل الگ بیٹھ کر باتیں کرنے لگے۔"

پانچواں باب (۵)

جمیل کی وارفتہ مزاجی میں کوئی فرق نہیں آیا تھا۔ اب بھی جب موقع ملتا تھا وہ عالیہ کے "شہزادے" کی تلاش میں نکل پڑتا تھا۔ لیکن نامراد و ناکام واپس آجاتا تھا۔ محمود نے پہلے تو اسے بہت سمجھایا نشیب و فراز بتائے نئی زندگی کے سبز باغ دکھائے لیکن وہ راہ راست پر نہ آیا وہ اسے قتل کر دینے پر تلا ہوا تھا۔ یہ حالت دیکھ کر محمود نے اسے زیادہ تر اپنے پاس رکھنا شروع کر دیا تھا۔

نیاز کے یہاں کبھی کبھی یاران باصفا اور احباب بے ریا اکٹھا ہوا کرتے تھے، چائے کا دور چلتا، زندگی کے معاملات، مسائل قوم کے حالات و کیفیات کی دنیا کی سیاست اور ادبی و سماجی تحریکوں پر بھی سنجیدگی کے ساتھ کبھی لطف مزاج کے پیرایہ میں کبھی طنزیہ و تعریض

rekhta

کے رنگ میں رات گئے تک بحثیں جاری رہتی تھیں، نیاز کے آزاد و حیدر وغیرہ سے تعلقات تو قدیم تھے۔ لیکن جب سے محمود اس کا پارٹنر بنا تھا۔ وہ بھی باقاعدگی کے ساتھ اس مجلس میں شریک ہونے لگا۔ تھا۔ آدمی زندہ دل، یار باش اور صاف طبع تھا۔ بہت جلد گھل مل گیا۔ آزاد کی قابلیت، ہوش مندی اور جذبۂ ملک و وطن سے وہ بہت متأثر تھا۔ اس حد تک متأثر تھا کہ مساوی بنیاد پر دوستی کے باوجود ایک حد تک اس کا ادب کرتا تھا، آج کی مجلس میں وہ اپنے ساتھ جمیل کو بھی لیتا آیا تھا۔ جمیل کے جمال و کمال سے سب لوگ متأثر ہوئے اس کے اخلاق، شائستگی، اور شستہ انداز کلام نے سب کو مسحور کر دیا۔ وہ اگرچہ کچھ کھویا کھویا سا تھا، پھر بھی قفل سکوت توڑ کر جب کوئی بات کہتا یا کسی بحث میں حصہ لیتا تو ایسا محسوس ہوتا تھا کہ وہ مفکر بھی ہے اور مدبر بھی۔ اس کے خیالات وسیع النظر دور رس اور طرز کلام دلآویز تھا۔ مس ورما، مس شیلا، مس زینب مس یاسمین، بھی موجود تھیں، مس ورما اور مس شیلا مقامی کمیونسٹ پارٹی میں سرگرمی سے حصہ لیتی تھیں اور زینب اور یاسمین میں سے ایک پلے بیک سنگر تھی، دوسری ایک آرٹسٹ، یاسمین کے بنائے مرقعے اور کھینچی ہوئی تصویریں اصل سے اتنی مشابہ ہوتی تھیں کہ منھ مانگی قیمت پر فوراً بک جاتی تھیں — چائے کا دور چل رہا تھا، اور باتوں کا سلسلہ جاری تھا۔ موسم برسات کی دربار رات تھی پانی رم جھم، رم جھم برس رہا تھا۔

چھٹا باب (۶)

آزاد یوں تو ہر گفتگو میں شریک غالب تھا۔ اس کی لطیف اور پر تکلف باتوں سے سب ہی متأثر اور مسحور نظر آرہے تھے، لیکن وہ بیک وقت مس شیلا اور مس یاسمین سے زیادہ متأثر نظر آرہا تھا، اس طرح کہ کوئی اور نہ محسوس کر سکے، وہ شیلا اور یاسمین پر بار بار للچائی ہوئی نظریں ڈال رہا تھا اور یہ دونوں بھی اس سے کچھ کم دلچسپی نہیں لے رہی تھیں۔ کچھ صورت کی کشش کچھ باتوں کا سحر، کچھ اس کا علم مجلسی، کچھ اس کا حسن مردانہ، ان سب چیزوں نے مل کر اس محفل کا کنھیا بنا دیا تھا۔ مس ورما بیچاری اپنے حسن کے بارے میں ذرا بھی برخود غلط نہیں تھیں، لہٰذا دل میں وہ لاکھ آزاد پر صدقے قربان ہو رہی ہوں لیکن وضع احتیاط پر قائم تھیں

ایاز قدر خود بہ شناس

یہی حال زینب کا تھا۔ اس کی آواز جتنی رس بھری تھی صورت

اتنی ہی اکل کھری وہ بھی آزاد سے نہ کسی پذیرائی توقع کر سکتی تھی اور نہ اپنے دل میں غلط امید پیدا کرنا چاہتی تھی۔ شیلا اور یاسمین البتہ اپنے اپنے حدود میں قیامت صغریٰ اور قیامت کبریٰ سے کم نہ تھیں۔ شیلا اگر اندرا کا نعم البدل بن سکتی تھی تو یاسمین رابعہ کا غم دل سے دور کر سکتی تھی، اور وہ چاہتا تھا کہ ان دونوں کو اپنا کر اندرا کی یاد اور رابعہ کا کانٹا دل سے ہمیشہ ہمیشہ کے لئے نکال دے۔ شیلا آسانی سے اسیر دام ہو سکتی تھی۔ اس لئے کہ وہ پرجوش لڑکی تھی اور انتہائی قربانی کے لئے تیار ہو کر حال ہی میں کمیونسٹ پارٹی میں شریک ہوئی تھی۔ وہ آزاد کو لیڈر ——— اور عظیم لیڈر سمجھتی تھی، اس کے منھ سے نکلا ہوا بول وہ عقیدت کے کان سے سنتی تھی البتہ یاسمین ذرا ٹیڑھی کھیر تھی۔ ایک تو اپنے حسن و جمال کا پندار بہت زیادہ، دوسرے اپنی فن کاری پر دل میں غیر معمولی غرور، تیسرے وہ اپنے آپ کو بہت زیادہ بلند بام سمجھتی تھی۔ اب تک نہ جانے کتنے خوب صورت اور طرحدار دولت مند اور مال دار آدم کے بیٹوں سے وہ کہہ چکی تھی ؎

برو ایں دام بر مرغ دگر نہ
کہ عنقا را بلند است آشیانہ

آزاد اس کی اس خو سے واقف تھا، اس لئے پیش قدمی اور پیش دستی کرتے ہوئے جھجکتا تھا۔ لیکن پھر بھی اسے یقین تھا کہ یاسمین کتنی ہی اکھڑ اور برخود غلط ہو، رابعہ سے زیادہ غارت گر تمکین و ہوش

تو نہیں ہو سکتی۔ وہ باتیں کر رہا تھا۔ بحث و تمحیص میں حصہ لے رہا تھا لیکن اس کی آنکھیں اپنا کام کر رہی تھیں، اور دماغ اپنا دونوں اپنے اپنے فرائض مستعدی کے ساتھ انجام دے رہے تھے۔

گفتگو کسی طرح جمہوریت اور ڈکٹیٹر شپ پر چل نکلی شیلا نے اپنے نازک جسم کو بل دیتے ہوئے ایسی نشیلی آنکھوں سے کہ معلوم ہوتا تھا۔ پورا میخانہ لنڈھا جا رہا ہے، آزاد کو دیکھا اور کہا۔

"میں ان دونوں الفاظ سے سخت نفرت کرتی ہوں۔"

آزاد سے پہلے حیدر نے جواب دیدیا۔

"لیکن آپ یہ کیوں سمجھتی ہیں کہ الفاظ کا اطلاق کبھی آپ پر بھی ہو سکتا ہے۔"

شیلا نے بڑی تیکھی نظروں سے حیدر کو دیکھا۔ گویا وہ آنکھوں آنکھوں میں کہہ رہی تھی، بڑے بدتمیز اور بے ادب ہو کہ ہماری بات کاٹتے ہو ہمارے منھ آتے ہو، لیکن زبان سے کچھ نہ کہا، گویا وہ اپنی توہین سمجھتی تھی کہ اس سے راہ سخن وا کرے لیکن آزاد خاموش نہ رہ سکا اس نے کہا۔

"معاف فرمائیے گا آپ کیا کہنا چاہتے ہیں میں بالکل نہیں سمجھا۔"

حیدر نے جواب دیا۔

"میں نے آپ سے کہا بھی نہ تھا۔"

نیاز اور دوسرے لوگ بے ساختہ ہنس پڑے، آزاد کچھ جھینپ سا گیا۔ شیلا اس کی خفت نہ برداشت کر سکی۔

اس نے کہا۔

"اچھا تو میں بھی سوال کرتی ہوں مجھے جواب دیجئے"۔

حیدر نے بڑی معصوم شوخی کے ساتھ کہا۔

"جمہوریت کے معنی ہیں پنچایتی نظام اور یہ وہ نظام ہے جس سے عورت کی خود آرائی مصالحت نہیں کر سکتی۔ ڈکٹیٹر شپ کا مفہوم ہے کسی ایک شخص کی مطلق العنان حکومت اور یہ بھی عورت کی سرشت سے بعید ہے۔ کہ کسی اور کو مطلق العنان فرمانروا تسلیم کرے"۔

شیلا جھلا گئی۔

"آپ کے ذہن میں عورت کا بہت غلط تصور ہے"۔

یاسمین نے بھی شیلا کا ساتھ دیا۔

"نہ جانے آپ لوگ عورت کو کیا سمجھتے ہیں"۔

حیدر:۔ "دیکھئے جناب اب آپ نے سوال کیا ہے تو جواب بھی سننا پڑیگا آپ کو"۔

نیاز:۔ "سننے سے انکار کسے ہے، لیکن کچھ کہو بھی"۔

حیدر:۔ سوال یہ ہے کہ ہم لوگ عورت کو نہ جانے کیا سمجھتے ہیں۔

نیاز:۔ جی ہاں، یہی سوال ہے، اب براہ کرم جواب عنایت فرمائیے

حیدر: (یاسمین کی طرف مخاطب ہو کر جمیل کی جانب اشارہ کر کے) ان صاحب سے میں زیادہ واقف نہیں ہوں، اپنے بارے میں تو یہ خود بتائیں گے، باقی دوسرے حضرات کے بارے میں عرض کر سکتا ہوں۔

نیاز:۔ لاحول ولا قوۃ! آخر عرض کرتے کیوں نہیں؟

حیدر:۔ خود آپ کا جہاں تک تعلق ہے آپ عورت کو ایک مقدس چیز سمجھتے ہیں، محمود صاحب عورت کو ایک گورکھ دھندا سمجھتے ہیں، آزاد صاحب کی نظر میں عورت ایک کھلونا ہے"۔

نیاز:۔ کچھ اپنے بارے میں بھی ارشاد فرمائیے

کچھ تو کہئے کہ لوگ کہتے ہیں
آج غالب غزل سرا نہ ہوا

حیدر:۔ میرے خیال میں اگر واقعی عورت وہی چیز ہے، جس کا نمونہ مس یاسمین ہیں تو میں اس کی پرستش کرنے پر تیار ہوں"۔

یاسمین:۔ (جھلا کر) یہ مہذب لوگوں کا مجمع ہے لفنگوں اور شہدوں کا نہیں، آپ کو کس نے اجازت دی ہے کہ شریک مجلس خواتین کے نام لے کر ان کی توہین کریں ــــ؟

حیدر:۔ "میں نے کوئی توہین نہیں کی"۔

آزاد:۔ آپ نے صرف مس یاسمین کی ہی نہیں، میری بھی توہین کی ہے اور میں بھی اس طرح کی باتیں نہیں برداشت کر سکتا"۔

حیدر:۔ آپ نے یہ کیسے کہہ دیا کہ میں عورت کو کھلونا سمجھتا ہوں۔

نیاز:۔ یہ تو لڑائی شروع ہو گئی، نہیں بھائی! یہ ٹھیک نہیں۔ حیدر ہم سب کا بڑا اچھا لیکن نہایت بے وقوف دوست ہے، اس کی کسی بات کا برا ماننا ظلم ہے"۔

یاسمین :۔ "لیکن مجھے ان کی دوستی کا فخر حاصل نہیں ہے۔"

حیدر :۔ "اگر آپ چاہیں تو ہو سکتا ہے۔"

یاسمین :۔ اپنا تبسم ضبط نہ کر سکی۔

اس نے کہا۔

جی نہیں شکریہ، مجھے معاف کیجئے۔"

حیدر :۔ "معافی مجھے مانگنی چاہئے تھی مانگ آپ رہی ہیں یہ بھی اچھی رہی۔
ہم الزام ان کو دیتے تھے قصور اپنا نکلا۔"

"خیر ــــ وہ تو نہیں تھا۔ لیکن معاف کئے دیتا ہوں، اب تو ہوئیں آپ خوش۔"

شیلا :۔ "کچھ بھی ہو گفتگو کا یہ انداز مہذب سوسائٹی میں کچھ پسندیدہ نہیں قرار دیا جا سکتا۔"

حیدر :۔ "میں آپ سے بھی معافی چاہتا ہوں۔"

نیاز :۔ آج تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ معافی مانگنے پر تل گئے ہو پھر ہم نے کیا خطا کی ہے، ہم سے بھی معافی مانگ لو۔"

حیدر :۔ "پہلے یاسمین یا شیلا بن جائیے پھر یہ باتیں زیب دیں گی۔"

سب لوگ ہنسنے لگے بے لطفی کے بادل چھٹ گئے بے تکلفی کی فضا پلٹ آئی!

ساتواں باب

ہلکی ہلکی بارش اب ہو رہی تھی، فضا پر ایک عجیب ہیبت ناک سناٹا چھایا ہوا تھا۔ البتہ نیاز کے بنگلے کے اس کمرے میں چہل پہل اور رونق نظر آ رہی تھی، جہاں یہ یاران بے تکلف جمع تھے، نیاز نے کہا۔

"باتیں بہت ہو چکیں اب شعر و شاعری ہونی چاہئے۔"

حیدر نے پرزور تائید کی۔

"ضرور ہونی چاہئے۔"

یاسمین نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"نہیں شعر و شاعری نہیں نغمہ اور موسیقی کی طرف طبیعت مائل ہے۔"

آزاد نے یاسمین کی تائید کرتے ہوئے کہا۔

"ہاں پانی کی یہ ننھی ننھی بوندیں جل ترنگ بجا رہی ہیں، کیا اچھا ہو اگر

مس ورما کوئی پھڑکتی ہوئی غزل سنا کر فضا کے تکدر کو دور کر دیں۔ کیوں مس ورما ہماری استدعا قبول ہوگی؟"

آزاد کی اس فرمائش نے ورما کو جنت میں پہنچا دیا۔

انھوں نے فخر بھری نظروں سے شیلا اور یاسمین کو دیکھا۔

گویا وہ کہہ رہی تھیں فن اپنی داد خود حاصل کر لیتا ہے، تم لاکھ تیتری کی طرح اڑو، پھول کی طرح مہکو، بلبل کی طرح چہکو۔ ایسے موقع پر ہمیں یاد آئیں گے، ہمیں سے فرمائش کی جائے گی۔

نیاز نے کہا۔

مس ورما آپ تو غور کرنے لگیں۔ یہ کوئی ایسی سنجیدہ فرمائش تو نہیں۔ کہ آپ کو تامل ہو کچھ؟"

آزاد نے قہقہہ لگاتے ہوئے کہا۔

"سنجیدہ فرمائش کیا چیز ہوتی ہے۔ بڑے نٹ کھٹ ہو، ہاں مس ورما تو پھر شروع کیجئے کچھ۔!"

مس ورما سنبھل کر بیٹھ گئیں، اور انھوں نے بڑے پرسوز لہجہ میں غالب کی غزل گنگنانا شروع کی ؎

ہم ہیں مشتاق اور وہ بیزار
یا الٰہی یہ ماجرا کیا ہے

اس غزل نے سماں باندھ دیا۔ سبک الفاظ، دلنشین مفہوم، سادہ ترکیبیں، پھر مس ورما کی رسیلی آواز، فضا کا سناٹا، موسم کی رعنائی، ان سب

چیزوں نے ایک عجیب سا طلسم پیدا کر دیا تھا۔ دفعتاً۔ زور سے دروازہ کھلا اور سب کی نظر دروازے کی طرف خود بخود اٹھ گئی۔

عذرا سامنے کھڑی تھی — اتنے رات گئے کچھ ایسے عجیب انداز میں عذرا آئی کہ جس نے دیکھا سہم گیا۔ یاسمین اور شیلا پر تو لرزہ طاری ہو گیا۔ اس کی آنکھیں خوفناک اور بھیانک نظر آ رہی تھی، بال الجھے ہوئے تھے، کپڑے پھٹے ہوئے اور میلے تھے، چہرے کی تازگی اور رعنائی جواب دے چکی تھی، اس کی بجائے ایک عجیب طرح کی رکھائی سی پیدا ہو گئی تھی جس کے ہونٹ پھول کی پتیوں کی طرح نازک تھے جس کی آنکھوں سے شراب اُبلتی رہتی تھی، جس کا شباب ایک پرشور ندی کی طرح بل کھاتا زندگی کی پگڈنڈی پر سے گذر رہا تھا، جس کے رخسار کبھی سیب کو شرماتے تھے، آج یوں لٹک رہے تھے جیسے انھوں نے تازگی اور شادابی کے دن دیکھے ہی نہیں، کبھی عذرا خوروش اور پری پیکر تھی، اور آج یہ چڑیل معلوم ہو رہی تھی۔

عذرا خاموش کھڑی تھی اور تمام حاضرین دم بخود بیٹھے تھے۔

اس محفل میں اگر کوئی اسے پہچانتا تھا تو صرف آزاد اور جو واقف تھا، شناسا تھا، اس پر موت کی زردی چھائی ہوئی تھی، اس نے عذرا کو دیکھا اور آنکھیں جھکا لیں۔

عذرا کی آواز فضا میں گونجی

"آزاد صاحب آپ فخر کیوں رہے ہیں؟ شرم تو صرف عورت کا زیور ہے، وہ آپ نے مجھ سے چھین لیا، میں بے شرم ہو کر آپ کے پاس

آئی ہوں، اور آپ ہیں کہ لجائے جا رہے ہیں۔
—— "مجھے دیکھئے میری طرف دیکھئے"
آزاد (خفیف ہو کر) دیکھ رہا ہوں —— عذرا یہ تمہاری کیا حالت ہو رہی ہے؟ آؤ بیٹھو"
عذرا :- "شکریہ —— میں اس محفل میں بیٹھنے کے لئے نہیں، آپ سے کچھ باتیں کرنے آئی ہوں، ایک خبر سنانی ہے کچھ فیصلے کرنے ہیں"
آزاد :- اگر اس لئے آئی ہو کہ بیٹھو، شریک محفل ہو تو تمہیں کون منع کر سکتا ہے۔ لیکن اگر کوئی خبر سنانی ہے کچھ سنجیدہ قسم کی باتیں کرنی ہیں تو پھر اس کے لئے یہ جگہ موزوں نہیں، تمہیں میری قیام گاہ معلوم ہی ہے"
عذرا :- "جی ہاں معلوم ہے اور میں وہیں سے آ رہی ہوں"
آزاد :- "تو وہیں بیٹھتیں کچھ دیر انتظار کر لیا ہوتا"
عذرا :- ارادہ تو یہی تھا، لیکن وہاں آپ کی ایک اور کشتۂ ستم اندرا دیوی تشریف فرما تھیں، انھوں نے مجھے اس طرح گھور گھور کر دیکھا کہ میں تاب نہ لا سکی چلی آئی"
یہ کہہ کر عذرا نے ایک ڈراؤنا اور خوفناک قہقہہ لگایا۔
آزاد :- (بہت زیادہ پریشان ہو کر) "اچھا پھر کسی دن سہی، میں کہیں باہر تو نہیں جا رہا ہوں"
عذرا :- "آپ کا کیا بھروسہ —— آپ ٹھہرے قوم کے لیڈر، ہوا روکی جا سکتی ہے، مگر آپ پابند نہیں کئے جا سکتے"

آزاد :- (بہت زیادہ عاجز ہو کر) "میں وعدہ کرتا ہوں کہیں نہیں جاؤں گا، ابھی چند روز تک"
عذرا :- "لیکن میں وہ باتیں ابھی کرنا چاہتی ہوں۔ اور آپ مجبور ہیں کہ انہیں سنیں۔
آزاد :- (برہم ہو کر) نہیں مجھے مجبور نہیں کیا جا سکتا"
عذرا :- "اگر آپ نے سننے سے انکار کیا۔ آپ کے ان دوستوں کو میری باتیں سننی پڑیں گی۔ خواہ آپ کی موجودگی میں یا آپ کی عدم موجودگی میں"
عذرا کی ان باتوں نے آزاد کے ہوش و حواس گم کر دیئے، اس کی عقل حیران تھی کہ اس قضائے جرم کو کس طرح ٹالے؟ کبھی بے بسی کے ساتھ نیاز اور حیدر کی طرف دیکھتا، کبھی خفت اور ندامت کے ساتھ شیلا اور یامین کو دیکھتا۔ کبھی بے بسی اور بے کسی کے ساتھ محمود اور جمیل پر اس کی نظر پڑتی تھی ——
لیکن ان میں سے کوئی بھی نہ اس کی دستگیری پر آمادہ تھا۔ نہ کر سکتا تھا۔ عذرا کی باتوں سے سب کو دلچسپی ہو چکی تھی، سب اگرچہ خاموش تھے۔ لیکن چاہتے تھے کہ عذرا اپنی کہانی کہے اور وہ سنیں، دیکھیں اب پردۂ غیب سے کیا ظاہر ہوتا ہے؟ عذرا کیسے کیسے انکشافات کرتی ہے، اور اونٹ کس کروٹ بیٹھتا ہے؟
آزاد :- عذرا میں کہتا ہوں واپس جاؤ"
عذرا :- "آپ کے اس نرم کلام انداز سے بہت دنوں بعد آشنا ہوئی ہوں، کاش اس میں خلوص ہوتا، مجبوری اور مکاری نہ ہوتی۔
آزاد :- "نہ جانے تمہاری باتوں کا کیا مطلب ہے —— اچھا چلو میں چلتا ہوں"

عذرا:۔ جی نہیں ـــــ بیٹھے رہئے اور میری طرف دیکھئے۔

آزاد:۔ (مجبور ہو کر) فرمائیے۔

عذرا:۔ (سامنے کرسی پر بیٹھتے ہوئے) وہ میرا بچہ، وہ آپ کا بیٹا ـــــ

آزاد:۔ (چیخ کر) عذرا ـــــ

عذرا:۔ (بے پروائی سے) بات نہ کاٹئے، ہاں وہ میرا بچہ، وہ آپ کا بیٹا، جس کے آپ باپ تھے، لیکن دنیا کے سامنے باپ بنتے ہوئے شرماتے تھے۔ جس کے بارے میں آپ نے مجھے مشورہ دیا تھا۔ کہ مار ڈالوں، اسے دنیا میں زندہ نہ آنے دوں، جس کی بھولی اور معصوم صورت دیکھ کر آپ کا دل بھی نہ پسیجا تھا۔ اور جسے گم نام طور پر آپ یتیم خانے میں داخل کرنے کے لئے تیار تھے۔ وہ مر گیا، ڈاکٹر کہتے ہیں۔ اسے ڈبل نمونیا ہو گیا تھا، وہ مر گیا، اور میں بوڑھی ہو گئی، زندگی مجھ سے روٹھ گئی، جوانی نے داغ مفارقت دیدیا۔ ہائے اسکے لئے میں نے کیسے کیسے دکھ نہ جھیلے، کیسی کیسی مصیبتیں نہ سہیں، جج کی ملازمت اس وجہ سے گئی پرنسپل نے حقارت کی نظروں سے مجھے دیکھا اور کہنے لگی تم بدکردار ہو، متعدی بیماری کی طرح تمہارا کردار ہماری بچیوں پر اثر انداز ہو گا باعزت طریقہ پر مشورہ یہ ہے کہ استعفیٰ دیدو، ورنہ برطرف کر دی جاؤ گی، آہ وہ میرا لخت جگر بھی قدرت نے چھین لیا، پھر بھی اگر آپ میرے ہوتے تو شاید اس غم کو میں جھیل لیتی۔

آزاد:۔ (بہت زیادہ چیخ کر) خاموش ہو جاؤ عذرا!

عذرا:۔ (اطمینان سے) مجھے ڈرانے کی کوشش نہ کیجئے توبہ، میرا حافظہ کتنا خراب ہو گیا ہے، بات کہتے کہتے بھول جاتی ہوں، کیا کہہ رہی تھی۔؟

آزاد:۔ مجھے نہیں معلوم ـــــ

عذرا:۔ یاد آ گیا، خوب یاد آیا۔ کتنا منحوس دن تھا۔ وہ جب آپ نے میری سادگی سے فائدہ اٹھا کر مجھے ورغلایا اور میں آپ کے چکمے میں آ گئی، اور آپ نے مجھے لوٹ لیا، اور میں نے اپنی سب قیمتی پونجی ہار دی، آپ نے مجھے بیوقوف بنایا۔ اور میں آپ کا کھلونا بن گئی، میرے ضمیر نے مجھے روکا کہ آپ کی باتوں پر کان نہ دھروں، لیکن میرا دل ضمیر پر غالب آ گیا۔ آپ نے مجھے کتنا حسین بنا دیا تھا۔ اب سوچتی ہوں تو حیرت ہوتی ہے، آپ کی وجہ سے میں بدراہ ہوئی آپ کے لئے میں نے ماں باپ اور خاندان کو چھوڑا۔ آپ ہی کی وجہ سے مجھے کالج کی نوکری چھوڑنی پڑی۔ آپ ہی کی عنایتوں سے میں ایک معصوم اور خوبصورت بچہ کی ماں بن گئی۔ پھر آپ ہی کی وجہ سے میں در در کی ٹھوکریں کھانے پر مجبور ہو گئی۔ لیکن اب اپنے دل کو ٹٹولتی ہوں تو ایسا محسوس ہوتا ہے جیسے میری جرأت کسی نے چھین لی، نعیم کی موت نے میرا حوصلہ ختم کر دیا۔ اب میں یہ محسوس کرنے لگتی ہوں کہ مجھے سہارے کی ضرورت ہے پہلے آپ نے مجھے ٹھکرا دیا۔ میں نے پرواہ نہ کی۔ لیکن اب میں آپ کے پاس اپنا چھینا ہوا سہارا ڈھونڈھنے آئی ہوں۔"

آزاد:۔ بچوں کی سی باتیں نہ کرو عذرا

عذرا:۔ نہیں۔ ایسا نہ کہئے، میں بچہ نہیں ہوں۔ ہاں کبھی بچوں کی طرح معصوم ضرور تھی۔ لیکن آہ۔ اب تو ایک فاحشہ عورت ہوں۔

آزاد:۔ میں یہ باتیں سننا نہیں چاہتا۔

عذرا: شاید آپ ڈرتے ہیں؟

آزاد: میں کسی سے نہیں ڈرتا!

عذرا: یہ میں کیسے مان لوں۔ کیا آپ اندرا سے بھی نہیں ڈرتے؟ جسے سارا حال معلوم ہونے کے اس کے شوہر نے مار پیٹ کر نکال دیا۔ باپ نے اس غم میں جان دیدی، بھائی صورت دیکھنے کا روادار نہیں، وہ بھی آپ کو اپنی آخری امیدگاہ سمجھ کر آئی ہے، گویا کہہ رہی ہے ۔

تمہیں نے درد دیا ہے تمہیں دوا دوگے ۔

مانتی ہوں وہ مجھ سے زیادہ خوبصورت تھی اور خوبصورت ہے۔ لیکن میرا حق فائق ہے۔ وہ سماج کے بندھن نہ توڑ سکی۔ چھپ چھپ کرتی رہی۔ آپ سے میں نے وہ بندھن مکڑی کے جالے کی طرح توڑ دیئے اور سب کو چھوڑ چھاڑ کر آپ کی ہو رہی۔ اور ٹھکرائی گئی، تو آپ کے پاس آئی ہے۔ مجھے آپ نے خود ٹھکرا دیا۔ لیکن میں نے آپ کا دامن نہیں چھوڑا، کتنا بڑا فرق ہے مجھ میں اور اس میں؟

آزاد: یہ سب بکواس ہے!

عذرا: تو کیا میں جھوٹ بول رہی ہوں؟

آزاد: ہاں بالکل جھوٹ۔ میں تمہیں جانتا بھی نہیں، کون ہو؟ ضرور یہ میرے سیاسی حریفوں کی شرارت ہے، جنہوں نے تمہیں آلۂ کار بنا دیا ہے، اگر تم فوراً نہ چلی گئیں تو میں پولیس کو بلاتا ہوں

عذرا: ضرور بلایئے — میرے پاس ایسے ثبوت ہیں جن سے آپ انکار نہیں

کر سکتے۔ اور وہ میں پولیس ہی کے سامنے پیش کروں گی۔ بلایئے، جلد بلایئے!

آزاد: پولیس سے مدد لئے بغیر بھی میں تمہارا علاج کر سکتا ہوں!

عذرا: میرے سوال کا جواب دیجئے، ورنہ میں خود پولیس کو بلاتی ہوں!

آزاد: جاؤ! دفع ہو منھ کالا کرو کسی طرح!

عذرا: کیا اس طرح کی باتیں آپ اندرا سے بھی کر سکتے ہیں؟

آزاد: خاموش — تم اندرا کو نہیں جانتیں!

عذرا: اب جان گئی ہوں وہ مجھ سے نفرت کرتی ہے مجھے اس سے ہمدردی ہے، اس نے میری طرف توجہ نہ کی، میں نے اسے آپ کے سارے لچھن بتا دیئے، اسے شاید میری باتوں کا یقین نہ آیا۔ مجھے نفرت بھری نگاہوں سے گھور گھور کر دیکھنے لگی، وہ تو خیریت ہوئی کوئی صاحبہ مس رابعہ وہاں پہنچ گئیں اور اندرا انہیں دیکھ کر رونے لگی، پھر اس نے اپنا سارا ماجرا سنایا، رابعہ بھی اس کے ساتھ روتی رہی، اب وہ دونوں آپ کی منتظر ہیں، لیکن وہاں جانے سے پہلے میرا فیصلہ کرتے جایئے۔

آزاد: میں وہاں بھی نہیں جاؤں گا — میں اس شہر سے چلا جاؤں گا!

عذرا: کوئی صاحب مسٹر دستور بھی بڑے اشتیاق و اضطراب، وحشت، اور برہمی کے عالم میں آپ کا انتظار کر رہے ہیں!

آزاد: بہت زیادہ مضطرب ہو کر) دستور —!

عذرا: ہاں ہوں گے کوئی، نہ جانے کیا اناپ شناپ ہانک رہے تھے

— آپ جائیں گے تو آپ سے بھی ملاقات ہو جائیگی۔"

دستور کا نام سن کر آزاد کے پیروں کے نیچے سے زمین نکل گئی۔ نیاز بھی گھبرایا، حیدر بھی پریشان ہو گیا۔ شیلا اور یاسمین حیرت سے ایک دوسرے کو دیکھ رہی تھیں، یک بیک جمیل اٹھا، اور سامنے آ کر کھڑا ہو گیا۔ اس نے آزاد سے پوچھا۔

جمیل:۔ "دستور کون بزرگ ہیں، کیا میں یہ معلوم کر سکتا ہوں؟"

آزاد:۔ "میں نہیں جانتا۔"

جمیل:۔ "عذرا سے مخاطب ہو کر) کیا آپ انہیں جانتی ہیں؟"

عذرا:۔ "نہیں انہیں نہیں جانتی۔"

جمیل:۔ "(آزاد سے) آپ ضرور جانتے ہیں بتاتے نہیں۔"

آزاد:۔ "یہی سہی، آپ میرے نجی معاملات پر گفتگو کرنے کا حق نہیں رکھتے۔"

جمیل:۔ "اگر یہ دستور وہ ہے جس کی مجھے ضرورت ہے تو میں اس سے ملنا چاہتا ہوں، میں اس سے ملوں گا۔"

آزاد:۔ "آپ جو چاہے کیجئے، مجھے نہ چھیڑیئے، میں نہیں جانتا آپ کو کس دستور کی ضرورت ہے، ایک نام کے متعدد اشخاص ہو سکتے ہیں۔ نہ جانے میرا دستور کون ہے اور آپ کا کون؟ ——— (نیاز سے مخاطب ہو کر) اچھا بھئی اب ہم جاتے ہیں۔"

نیاز:۔ "ہاں کافی رات گذر گئی۔ اب مجلس برخاست ہونی چاہئے۔"

عذرا:۔ "تو کیا یہ ظالم چلا جائے گا اور آپ حضرات بھی میری مدد نہیں

کریں گے؟"

نیاز:۔ "آپ کی دردانگیز باتوں سے ہم سب بہت متاثر ہوئے!"

عذرا:۔ "گویا وہ ایک شعر تھا۔ جسے سنا اور آہ سرد بھر کر لطف لے لیا، داد دے دی۔"

نیاز:۔ "بتائیے ہم کیا کر سکتے ہیں آپ کے لئے؟"

عذرا:۔ "یہ شخص آپ کا دوست ہے، اسے سمجھائیے ——"

نیاز:۔ "جب آپ کا جادو نہ چل سکا، تو ہماری باتیں کیا اثر کریں گے؟۔ بہرحال ہمیں ہمدردی ہے آپ سے۔"

عذرا:۔ "میں نے سنا تھا۔ آپ لوگ حقوق نسواں کے بہت بڑے علمبردار ہیں لیکن ایک مظلوم عورت کی اپنے ظالم دوست سے داد رسی نہیں کر سکتے؟"

نیاز:۔ "یہ میرا گھر ہے عدالت کا کٹہرہ نہیں، میں آزاد کا دوست ہوں جج نہیں۔ — جائیے عدالت اور پولیس دونوں کا دروازہ آپ کیلئے کھلا ہے!"

عذرا کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے، وہ آزاد کا دامن پکڑنے کے لئے بڑھی لیکن وہ کب کا جا چکا تھا۔

آٹھواں باب (۸)

عذرا چلی گئی۔!

لیکن اس کی سسکیاں اور سسکیوں کی آواز بڑی دیر تک حاضرین محفل کے کانوں گونجتی رہی۔

آزاد چلا گیا۔

لیکن اس کے اضطراب و اضطرار اور مجرمانہ سراسیمگی کا منظر سب کی آنکھوں میں سمایا ہوا تھا۔

محفل برخاست ہو گئی۔

لیکن حاضرین محفل اب تک گم صم صورت کا آئینہ حیران اور مانند گل آشفتہ نظر آرہے تھے — کچھ کہنا چاہتے تھے، لیکن نہیں کہہ سکتے تھے کچھ بولنا چاہتے تھے۔ لیکن نہیں بول سکتے تھے، کچھ سرگوشیاں کرنا چاہتے

تھے لیکن کسی میں یارائے تکلم نہ تھا۔

سب سے پہلے یاسمین نے قفل سکوت توڑا!

"کیسی اچھی بھلی اور بارونق محفل دم کی دم میں ویران ہو گئی"!

شیلا اٹھلاتی ہوئی زیر لب تبسم کے ساتھ گویا ہوئی!

"ہاں مجھے خود حیرت ہے۔ ع

ابھی کیا تھا اور کیا سے کیا ہو گیا"؟

مس ورما نے پہلو بدلتے ہوئے کہا۔

"کاش ہم لوگ یہاں نہ آئے ہوتے"؟

اب نیاز بھی ضبط نہ کر سکا۔

کہنے لگا۔

"آپ نے آکر کیا بگاڑ لیا اور نہ آتیں تو کیا بنا لیتیں"؟

یاسمین:۔ "نیاز صاحب یہ عذرا ہے کون؟ کیا آپ اسے جانتے ہیں"؟

نیاز:۔ "ہاں اتنا ہی جتنا آپ جانتی ہیں"۔

یاسمین:۔ "بس آپ تو ہر وقت دل لگی کرتے رہتے ہیں، ذرا بات کی اہمیت کو کو بھی سمجھا کیجئے"۔

نیاز:۔ "بہت بہتر، کوشش کروں گا"۔

مس ورما:۔ "میرے تو رونگٹے کھڑے ہو گئے بدن کے، دل اب تک دھڑک رہا ہے، نہ جانے یہ مصیبت کی ماری کون تھی؟

نیاز:۔ "آپ ہی کی ایک ہم جنس تھی۔

مس ورما:۔ (ٹھنڈی سانس بھر کر) ہاں یہ تو میں جانتی ہوں، واقعی ہم عورتوں کی جنس مردوں کی نظروں میں ایک کھلونے سے زیادہ نہیں۔

شیلا:۔ "اچھا آپ وعظ فرمانے لگیں؟ وہ جتنی ہماری ہم جنس ہے اتنی ہی نیاز صاحب کی بھی ہے، کیا وہ انسانیت کے زمرہ سے خارج ہے؟"

مس ورما:۔ "(قدرے جھینپ کر) سچ میرا بڑا دل کڑھ رہا ہے، بیچاری عذرا پر"

یاسمین:۔ کیا معلوم اس کی کہانی کا کتنا حصہ سچ تھا، کتنا غلط تھا۔؟

نیاز:۔ "بجا فرمایا آپ نے بات یہ ہے کہ ؎

بڑھا بھی دیتے ہیں کچھ زیب داستاں کے لئے
لیکن مجھے خوشی اس کی کہ آپ کی پوزیشن عذرا سے مختلف ہے۔"

یاسمین:۔ "میں نہیں سمجھی آپ کیا کہنا چاہتے ہیں؟

نیاز:۔ "بہت سادہ سی بات ہے، میرا مطلب یہ تھا کہ اگر خدانخواستہ عذرا ہوتیں تو اس وقت آپ کے تأثرات کچھ اور ہوتے۔

یاسمین:۔ "(ترش روئی کے ساتھ) میں عذرا ہوتی؟ کیوں ہوتی؟

نیاز:۔ "آخر عذرا کس طرح عذرا بن گئی؟"

یاسمین:۔ "وہ بے وقوف ہے، احمق ہے، نادان ہے۔"

نیاز:۔ "میرا خیال بھی اس کے بارے میں یہی ہے اور اس لئے مجھے مسرت ہے کہ آپ عذرا نہیں ہیں۔"

شیلا:۔ یہ تو کچھ مہمل سی باتیں ہونے لگیں۔ نیاز صاحب آپ بھی عجیب آدمی معلوم ہوتے ہیں ایک طرف تو آپ نے رکھائی کی باتیں کر کے عذرا کو چلتا

کر دیا۔ دوسری طرف اس کی وکالت ہو رہی ہے۔ اسی کی تائید کیجا رہی ہے اور دوسروں کو نشانۂ طنز بنایا جا رہا ہے، نہ جانے اس میں کتنی سچائی تھی اور اس میں کتنا جھوٹ ہے؟"

نیاز:۔ "(ہنستے ہوئے) آپ تو بہت جلد روٹھ جاتی ہیں۔"

شیلا:۔ "جی ہاں اور آپ میرے روٹھنے کی پرواہ بھی بہت کرتے ہیں۔ چلو یاسمین چلیں۔"

یاسمین:۔ (اٹھتے ہوئے) آؤ مس ورما اٹھو۔"

نیاز:۔ "بخدا میرا یہ مطلب نہیں تھا۔ آپ تو واقعی بگڑ گئیں، بیٹھئے ابھی بارش ہو رہی ہے تھوڑی دیر میں چلی جائیے گا۔"

شیلا:۔ "شکریہ اس ہمدردی کا۔ اب جانے دیجئے، پھر ملاقات ہوگی کبھی،

حیدر:۔ اچھا میری خاطر معاف کر دیجئے، رک جائیے ذرا دیر۔

شیلا:۔ یاسمین چلتی ہو یا میں جاؤں؟"

یاسمین:۔ "خود ہی تو باتیں کئے جا رہی ہو۔ کھڑی تو ہوں۔"

حیدر:۔ "اچھا چلئے میں پہنچا آؤں آپ حضرات کو اپنی کار میں

نیاز:۔ اچھا بھئی تم سب کی یہی رائے ہے تو پھر یہی سہی ـــــ خدا حافظ۔

یہ لوگ چلے گئے۔

ان کے جانے کے بعد کمرے پر ایک سناٹا چھا گیا، آخر محمود نے جمیل کا ہاتھ پکڑا اور وہ بھی روانہ ہو گیا۔ کار جب اسٹارٹ ہوئی تو دفعتاً جمیل نے محمود سے دریافت کیا۔

"آزاد صاحب رہتے کہاں ہیں؟"

محمود :- "یہیں عروس البلاد بمبئی میں!"

جمیل :- اب تم مجھے بھی یاسمین اور شیلا کی طرح باتوں میں اُڑانے لگے، میں
پوچھتا ہوں مقیم کہاں ہیں؟"

محمود :- "کیوں؟ کیا کروگے معلوم کر کے؟

جمیل :- "میں ان کے گھر پر جاؤں گا۔

محمود :- "وجہ، سبب! ضرورت؟

جمیل :- "یہ دستور کون ہے جو اس سے ملنے آیا ہو؟ یقیناً یہ وہی دستور ہے
جس کی مجھے ضرورت ہے، ایک عرصے سے میں جس کی تلاش میں ہوں۔
عالیہ کے قاتل کا سراغ اس سے لگ سکتا ہے اور اگر اس نے ذرا تامل
کیا سچ کہنے میں تو میں اس کا گلا گھونٹ دوں گا، مار ڈالوں گا اسے
اور میرا دل گواہی دیتا ہے کہ آزاد ــــ

محمود :- (گھبرا کر) تم احمق ہو، اچھے خاصے، تمہیں معلوم ہونا چاہئے، اس شہر میں
دو ہزار دستور بستے ہیں، کس کس کو پکڑو گے؟ کس کس کا گلا گھونٹو گے؟ احمقانہ
باتیں مت کیا کرو، اب سونے کی تیاری کرو، رات بہت زیادہ ہوگئی ہے۔

جمیل :- "لیکن مجھے نیند نہیں آئے گی"

محمود :- "کیوں اختر شماری کی کیا ضرورت لاحق ہوگئی آپ کو؟

جمیل :- "مجھے عالیہ یاد آرہی ہے، اس کی معصومیت یاد آرہی ہے، اس کا بیدردانہ
قتل یاد آرہا ہے، اس کا بے نام و نشان قاتل یاد آرہا ہے - اور

اور دستور یاد آرہا ہے۔ جب تک عالیہ کا انتقام نہ لے لوں چین نہ آئیگا

محمود :- میرے دوست اس کار خیر سے کون منع کرتا ہے تمہیں؟

جمیل :- "(اضطراب کے عالم میں) تم ــــ تم میری زنجیر پا بنے ہوئے ہو، تم
مجھے کچھ نہیں کرنے دیتے، تم میرے راستے کا پتھر ہو۔

محمود :- یہ بات ہے تو سب سے پہلے مجھے مار ڈالو۔

جمیل :- (برہمی کے عالم میں) "تمہیں مار ڈالوں؟ یہ تو نہیں کر سکتا"

محمود :- "تو پھر مجھے گوارا کرو"

جمیل :- "کر تو رہا ہوں اور کس طرح کروں؟"

"یہ کہہ کر جمیل پھوٹ پھوٹ کر رونے لگا"

"محمود نے محبت بھرے لہجہ میں کہا"

محمود :- "میں تم سے عہد کرتا ہوں کہ اس سلسلے میں تمہاری پوری مدد کرونگا۔
لیکن کام اس طرح کرو کہ کامیابی ہو، اس طرح نہ کرو کہ پہلے مرحلے میں
ناکامی ہو۔ جذبات کی رو میں آکر جو قدم اٹھاؤ گے وہ گڑھے میں گرے گا
سوچ سمجھ کر جو اقدام کروگے وہ منزل مقصود تک رہنمائی کردے گا۔

جمیل نے کوئی جواب نہیں دیا۔ محمود نے اسے تسلی دیتے ہوئے کہا۔

"جمیل تم اپنی فکر مجھے سونپ دو، صبر اور ہمت سے کام لو ساری
دشواریاں حل ہو جائیں گی"

اتنے میں گھر آگیا، اور جمیل محمود کا ہاتھ پکڑ کر اوپر چڑھ گیا۔

نواں باب (۹)

کئی دن گذر گئے۔

اس عرصہ میں آزاد اپنے کمرے سے باہر نہیں نکلا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا۔ باہر نکلتے ہوئے ڈرتا ہے صبح سے شام تک اور شام سے صبح تک کمرے میں پڑا کروٹیں بدلتا رہتا تھا، اس عرصہ میں وہ نیاز اور حیدر سے ملنے بھی نہیں گیا۔

شیلا اور یاسمین سے ملنے کی بھی اس نے کوشش نہیں کی، عذرا نے ان لوگوں کی نگاہ میں اسے اتنا سبک کر دیا تھا کہ وہ خود اپنی نظروں میں حقیر و ذلیل نظر آتا تھا، اور طرہ یہ کہ دوسرے ہی دن اخباروں میں اس نے یہ خبر پڑھی کہ ایک دیوانی عورت پولیس نے گرفتار کر لی، یہ سڑک پر چلتے چلتے کھڑی ہو جاتی تھی اور بہکی بہکی باتیں کر کے اپنے کپڑے پھاڑنے لگتی تھی۔ چند روز تک۔ تو لوگوں نے ہمدردی کی، پھر وہ تماشا بن گئی۔ لڑکوں کے چھو کرے

اسے ستانے اور چڑانے لگے، جس سے اور زیادہ برافروختہ ہو کر وہ ناشائستہ حرکتیں کرنے لگتی تھی، اس عورت کے اعزا اور اقربا کا کچھ پتہ نہ لگا۔ نہ اس کا نام معلوم ہو سکا۔ لہٰذا پولیس نے مناسب یہی سمجھا کہ اسے پاگل خانے بھیج دیا جائے تاکہ یہ زیادہ نہ ستائی جا سکے، اور ممکن ہے صحتیاب بھی ہو جائے۔

خبر کے نیچے اس پاگل عورت کی تصویر بھی تھی، اور یہ تصویر عذرا کی تھی آزاد اس تصویر کو دیکھ کر اور زیادہ پریشان ہوا۔ ممکن ہے یہ خبر اس کے دوستوں میں سے کسی نے نہ پڑھی ہو۔ شیلا اور یاسمین تو اخبار پڑھنا بھی گناہ سمجھتی تھیں، لیکن نہ جانے کیوں آزاد کو یہ یقین تھا کہ اس خبر کو اس کے حلقۂ احباب میں ہر شخص نے اور خاص طور پر نیاز اور حیدر، شیلا اور یاسمین نے ضرور پڑھا ہوگا۔ اور تصویر دیکھ کر عذرا کو پہچان بھی لیا ہوگا۔ اور اب یہ سب اس پر لعنت بھیج رہے ہوں گے، تصور ہی تصور میں ان لوگوں کی قہر بار اور خوں فشاں آنکھوں کو وہ اپنی طرف گھورتا ہوا محسوس کرتا تھا۔ اور شرم و ندامت سے زمین میں گڑا جاتا تھا۔ دستور کے آنے کا دن قریب آتا جا رہا تھا۔ اور اب تک نہ وہ سیٹھ جگل کشور سے مل سکا تھا اور نہ نیاز اور حیدر سے ملنے کی ہمت پڑی تھی، عجیب مصیبت میں وہ گرفتار تھا "نہ جائے رفتن، نہ پائے ماندن والا معاملہ تھا۔" زمین سخت تھی آسمان دور تھا۔"

وہ اپنے کمرے کے اندر اسی الجھن اور پریشانی میں بیٹھا تھا کہ باہر سے

کے ایک تند جھونکے کی طرح رابعہ آتی ہوئی دکھائی دی، اسے دیکھکر آزاد کا جی سن سے ہوگیا۔ وہ دل ہی دل میں کہنے لگا۔ یقیناً یہ مجھ سے لڑنے آئی ہے، کاش یہ مجھ پر مہربان ہوتی تو ان آفتوں اور طوفانوں کا مقابلہ میں ہمت اور پامردی سے کر لیتا، انہیں ٹھکراتا ہوا اپنے شبستانِ عشرت میں داخل ہو جاتا، اور پرواہ بھی نہ کرتا، کون کیا کہتا ہے لیکن میرے اتنے نصیب کہاں، پتھر میں جونک لگتی کس نے دیکھی ہے؟ سنگدل رحم اور مروّت کا نام کیا جانے ؎

سوز یہ کینہ ساز کیا جانیں
ناز والے نیاز کیا جانیں

اس سے کسی طرح کی توقع کرنا پانی پر عمارت بنانا ہے۔

اتنے میں رابعہ اس کے پاس پہنچ گئی، آزاد اسے اپنے قریب دیکھ کر کھڑا ہوگیا، بڑی گرمجوشی اور تپاک کے ساتھ اس نے ہاتھ ملایا، اور پھر دونوں بیٹھ کر باتیں کرنے لگے۔ آزاد سے رابعہ نے کہا۔

آج آپ بہت افسردہ اور مضمحل نظر آتے ہیں، کیا بات ہے؟

آزاد نے ایک ٹھنڈی سانس لی اور کہا

جو گذرتے ہیں داغ پر صدمے
آپ بندہ نواز کیا جانیں

زندگی کے دن گذر رہے ہیں، خواہ کسی طرح گذریں، غالب کا وہ شعر تو آپ نے سنا ہی ہوگا، کیا بات کہہ گیا ہے ظالم۔

اے شمع تیری عمر طبیعی ہے ایک رات
رو کر گذار یا اسے ہنس کر گذار دے

رابعہ:۔ جی ہاں شعر تو بڑا اچھا ہے، لیکن آپ کا مطلب اس سے واضح نہیں ہوتا، غالب نے اختیار دیا ہے کہ اس عارضی اور مختصر زندگی کو چاہے رو کر گذار دو چاہے ہنس کر، یہ اتنی ہی رہے گی، جتنی مقرر ہوچکی ہے، لہٰذا عقلمندی کا تقاضا بھی یہی ہے، اور میں اگر غلط نہیں سمجھتی تو آپ کا فلسفہ بھی یہی ہے، کہ رونے کی بجائے ہنسکر اسے گزارنا چاہئے۔

آزاد:۔ کبھی کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ فلسفہ حقائق کی چٹان سے ٹکرا کر پاش پاش ہو جاتا ہے، میرا فلسفہ کچھ کہتا ہے اور زندگی کی تلخ حقیقتیں کچھ اور کہتی ہیں۔

رابعہ:۔ یہ سانحات ہر شخص کے ساتھ پیش آتے ہیں لیکن اس سے دل گرفتہ نہیں ہونا چاہئے۔

آزاد:۔ مس رابعہ آپ کے یہ الفاظ میرے زخم دل پر مرہم کا کام کر رہے ہیں۔

رابعہ:۔ نہیں ایسی کوئی بات نہیں، آپ تو خواہ مخواہ پریشان ہو رہے ہیں۔

آزاد:۔ مس رابعہ اب تک میں طوفانوں سے لڑتا رہا، اب تھک گیا ہوں۔ سکون چاہتا ہوں، عافیت ڈھونڈھتا ہوں، اطمینان کی جستجو ہے، مجھے بتائیے کیا کروں؟

رابعہ:۔ یہ آپ مجھ سے پوچھتے ہیں؟

آزاد:۔ جی ہاں آپ سے، صرف آپ سے،

رابعہ :- میں آپ کی کیا مدد کر سکتی ہوں ؟ - اگر کر سکوں تو خوشی ہوگی -

آزاد :- آپ میری مدد کر سکتی ہیں ، میرا بیڑا آپ ہی پار لگا سکتی ہیں -

رابعہ :- اللہ رے حسن ظن ، آخر آپ کیا سمجھتے ہیں مجھے ؟

آزاد :- درد کا درماں ! کیا غلط سمجھتا ہوں ؟

رابعہ :- آپ کے درد تک درماں آیا ، اور آپ نے اسے لوٹا دیا ، ٹھکرا دیا -

آزاد :- ایسا کبھی نہیں ہوا ، ایسا کبھی نہیں ہو سکتا - میرے درد تک درماں نہیں درد آیا تھا - اور بے شک میں نے دروازے بند کر لئے تھے -

رابعہ :- انسان غلط بھی سمجھتا ہے ، آپ نے سمجھنے میں غلطی کی جسے آپ درد کہہ رہے ہیں وہ درماں تھا ، آپ کی اس ذہنی کوفت کا علاج صرف اندرا ہے ، اگر وہ بھی آپ کے درد کا درماں نہیں بن سکتی تو کوئی نہیں ہو سکتا -

آزاد :- میں اب تک مایوس نہیں ہوں اور تم مجھے مایوس کرنے کی کوشش کر رہی ہو -

رابعہ :- مجھے حق تو نہیں کہ آپ کے نجی معاملات میں دخل دوں ، سکون و عافیت کی نعمت اگر کسی اور دامن سے حاصل کر سکتے ہیں تو ضرور کیجئے ، لیکن یہ کہے بغیر نہیں رہ سکتی کہ اندرا پر ظلم نہ کیجئے -

آزاد :- میں نے اندرا پر کوئی ظلم نہیں کیا -

رابعہ :- آپ کی زندگی کے کچھ متفرق اوراق میرے سامنے ہیں میں جانتی ہوں آپ کس طرح کی زندگی گذارنے کے عادی رہے ہیں ، لیکن اندرا ایک معصوم ہستی ہے اس اپنی ہر چیز آپ کو سونپ دی تھی - اس لئے نہیں

کہ وہ عورت تھی اور آپ مرد تھے ، بلکہ اس لئے کہ وہ کی بڑائی کے آگے سر جھکاتی تھی - رفتہ رفتہ آپ اس کے دل میں پیوست ہو گئے ، وہ اب بھی آپ سے محبت کرتی ہے اور زندگی کے آخری سانس تک کرتی رہے گی ، چند روز تک وہ میری مہمان رہی ، اور ہمہ وقت وہ آپ ہی کا ذکر کرتی رہی غصے کے ساتھ نہیں ، حالانکہ آپ نے اس کو غصہ دلایا تھا ، نفرت کے ساتھ بھی نہیں حالانکہ اسے آپ سے متنفر ہونا چاہئے تھا ، حقارت کے ساتھ بھی نہیں حالانکہ کوئی وجہ نہ تھی کہ وہ آپ کو حقیر نہ سمجھتی ، محبت کے ساتھ وہ آپ کا ذکر کرتی رہی ، آپ کی بڑائیاں کرتی رہی ، آپ کی خوبیوں کے صدقے قربان ہوتی رہی ، میں تو یہ دیکھ کر حیران رہ جاتی تھی کہ آپ کی ایسی بے تکی باتوں پر وہ بڑائی اور عظمت کے پہلو ڈھونڈ لیتی تھی ، جس روز اس کی چچازاد بہن کوشلیا اسے اپنے ساتھ لے گئی اور بظاہر وہ غیر معین عرصے کیلئے ناسک چلی گئی - اس دن بھی حالت یہ تھی کہ بار بار وہ آپ کا ذکر کرتی تھی - اور بڑے محبت بھرے لہجے میں آپ کی بھلی باتیں جو اس کے دل پر نقش ہو چکی تھیں - دہرایا کرتی تھیں ، اتنی معصوم ہستی کو ٹھکرا کر آپ بہت بڑا پاپ کر رہے ہیں -

آزاد :- اندرا کے بارے میں تمہاری رائے بہت اچھی ہے ، اور میری رائے تم سے بھی اچھی ہے ، میں واقعی اسے اچھائیوں اور خوبیوں کا مجموعہ سمجھتا ہوں -

رابعہ :- اور پھر بھی اسے ٹھکراتے ہیں ؟ یہ انسانیت ہے ؟ شرافت ہے ؟

آزاد :- نہیں - ٹھکراتا نہیں ، ٹھکرا ہی نہیں سکتا ، یہ رائے تم نے کیوں قائم کر لی ؟

رابعہ :- تو اور کس طرح ٹھکرایا جاتا ہے، کتنی آرزوئیں اور حسرتیں لے کر اس روز وہ آپ کے پاس آئی تھی، کتنی مایوس اور غمگین واپس گئی مجھے تو اسے دیکھ کر رونا آگیا۔

آزاد :- میں نے اسے کوئی امید نہیں دلائی۔ میں نے اسے کبھی مایوس نہیں کیا۔

رابعہ :- کیا آپ نے اس سے محبت نہیں کی؟

آزاد :- ضرور کی۔ اس سے کیوں کر انکار کر سکتا ہوں؟

رابعہ :- کیا آپ کے اور اس کے درمیان وہ مراسم نہیں تھے جو صرف میاں بیوی ہی میں ہونے چاہئیں؟

آزاد :- اس سے بھی انکار نہیں کر سکتا۔ تھے!

رابعہ :- کیا اس کے شوہر نے صرف اس جرم میں اسے طلاق نہیں دی کہ وہ آپ سے محبت کرتی ہے؟

آزاد :- یقیناً یہ واقعہ بھی صحیح ہے۔

رابعہ :- کیا اس کا باپ اسی غم میں نہیں مر گیا اس کے بھائی نے اسی تصور پر اسے گھر سے نہیں نکالا؟ کیا صرف اسی سبب سے وہ دنیا میں بالکل اکیلی نہیں رہ گئی؟

آزاد :- ان باتوں پر گفتگو ہو سکتی ہے، لیکن مانے لیتا ہوں کہ جو کچھ تم کہہ رہی ہو۔ سچ ہے۔ پھر؟

رابعہ :- آپ کا یہ فرض تھا کہ آپ اس سے شادی کر لیتے اسے اپنی رفیقۂ حیات بنا لیتے، اس کا سہارا بنتے اور اس کے ٹوٹے ہوئے دل کو جوڑتے

یہاں تک کہ اسے چھنی ہوئی مسرت اور کھوئی ہوئی خوشی واپس مل جاتی۔

آزاد :- اگر میں ایسا کر سکتا تو ضرور کرتا، میں نے اندرا سے کہا تھا کہ وہ میرے پاس رہے میرے ساتھ زندگی بسر کرے لیکن ایک دوست کی حیثیت سے، وہ نہ مانی۔ شادی پر اصرار کرتی رہی، اور میں اس کے اصرار کو تسلیم نہ کر سکا۔

رابعہ :- آخر کبھی تو آپ شادی کریں گے۔

آزاد :- یقیناً کروں گا۔ لیکن کسی ایسی عورت سے جو میری بیوی بننے کی صلاحیت رکھتی ہو۔

رابعہ :- نہ جانے وہ کونسی صلاحیت ہے جو اندرا میں نہیں، خیر نہیں کیا آپ جانیں اور وہ جانیں۔ بہت دیر ہو گئی، بیٹھے بیٹھے اب اجازت دیجئے۔

آزاد :- کبھی کبھی تو آتی ہو اور اس قدر جلد واپس جانے کا پروگرام بنا لیتی ہو، ابھی بیٹھو کچھ ضروری باتیں تم سے کرنا چاہتا ہوں۔

رابعہ :- اتنی دیر سے تو بیٹھی ہوں، اگر واقعی ضروری باتیں کرنا تھیں تو اب تک کیوں نہ کیں، اب یکایک کیا یاد آگیا؟

آزاد :- تمہیں دیکھتے ہی میں نے فیصلہ کر لیا تھا کہ آج وہ باتیں چھیڑ دوں گا، لیکن تم نے دوسری باتیں شروع کر دیں، کیونکہ ممکن تھا کہ تمہاری باتیں بیچ سے کاٹ دیتا۔ اب وہ ختم ہو گئیں تو میں اپنی داستان شروع کرتا ہوں۔

رابعہ :- اچھا کل میں پھر آجاؤں گی۔
آزاد :- نہیں کل تک معلوم نہیں کیا ہو جائے، ہو سکتا ہے کہ میں اس دنیا میں موجود نہ رہوں لہٰذا آج ہی ہو گی
رابعہ حیرت سے اسے دیکھنے لگی۔

دسواں باب (۱۰)

رابعہ کی حیرت جب کچھ کم ہوئی تو اس نے آزاد سے کہا، "آپ خودکشی کرنے کا ارادہ کر رہے تھے۔ سچ؟"
آزاد :- "ہاں رابعہ میں نے یہ فیصلہ کر لیا تھا اور اس فیصلے پر میں ابتک قائم ہوں۔"
رابعہ :- "لیکن آخر کیوں؟"
آزاد :- "بتا چکا ہوں یہ زندگی اب ایک بوجھ بن گئی ہے میرے لئے، مجھے ساتھی چاہئے، کیا میرا ساتھ دو گی؟"
رابعہ :- "کیا آپ مجھے بھی اسی طرح دوست اور ساتھی بنانا چاہتے ہیں جس طرح اندرا سے کہہ رہے تھے"
آزاد :- "تم توبہ کرو رابعہ بھلا ایسا بھی کہیں ہو سکتا ہے تم تم ہو اور اندرا اندرا،

رابعہ:۔ آپ کا مطلب یہ ہے کہ میں اندرا سے زیادہ خوبصورت ہوں"

آزاد:۔ "ہاں یہی ہے میرا مطلب، غلط ہے کچھ؟"

رابعہ:۔ "مانے لیتی ہوں میں اندرا سے زیادہ خوبصورت ہوں لیکن خوبصورتی عمر سے زیادہ فنا پذیر چیز ہے۔ آج خوبصورت ہوں کل کوئی حادثہ پیش آجائے تو ابھی بدصورت ہو جاؤں گی۔ نہ پیش آئے، تو بھی یہ حسن کے دن کا مہمان ہے؟۔ دس برس حد ہے پندرہ سال۔ پھر میں اپنا قدردان کہاں تلاش کروں گی؟"

آزاد:۔ "یہ خیال غلط ہے خوبصورتی کبھی نہیں مرتی، وہ غیر فانی چیز ہے"

رابعہ:۔ "ہاں بالکل اسی طرح، جس طرح انسان، حیوان، شجر، حجر اور دنیا کی سب چیزیں غیر فانی ہیں"

آزاد:۔ "یہ تو کچھ عجیب سا فلسفہ ہوا"

رابعہ:۔ "فلسفہ نہیں حقیقت — انسان مر جاتا ہے، اس کا بدن سڑتا ہے اور پھر مٹی میں مل جاتا ہے، گویا اس نے ایک دوسری صورت اختیار کر لی، درخت کاٹا جاتا ہے، اس سے میزیں بنتی ہیں کرسیاں بنتی ہیں فرنیچر بنتا ہے اور جب یہ چیزیں اپنی عمر پوری کر لیتی ہیں تو آگ میں جھونک دیجاتی ہیں، کوئلے کی صورت اختیار کر لیتی ہیں خاکستر کی چادر اوڑھ کر فضا میں تحلیل ہو جاتی ہیں، کچھ حصہ مشت خاک بنجاتا ہے کچھ پانی میں جذب ہو کر بھاپ بنجاتا ہے، بھاپ بنکر پھر نہ جانے کتنی صورتیں اور شکلیں بدلتا ہے، گویا فنا نام ہے ایک چولے سے دوسرے چولے میں

میں پہنچے گا۔ ایک صورت سے دوسری صورت بدلنے کا۔ ایک شکل سے دوسری شکل اختیار کرنے کا۔ اسی طرح میرا حسن بھی فنا ہو کر باقی رہے گا۔ لیکن کسی دوسری صورت میں کسی دوسرے کے پاس۔ میرا بہرحال نہیں رہیگا۔ کیوں آزاد صاحب میں غلط تو نہیں کہتی۔

آزاد:۔ "نہیں — لیکن ان باتوں سے تمہارا مقصد کیا ہے، یہ میں بالکل نہیں سمجھا"

رابعہ:۔ "مقصد یہ ہے کہ میری جس چیز پر آپ نے توجہ فرمائی، وہ میری زندگی کا صرف ایک حصہ ہے، پوری زندگی نہیں، اور دوست یا ساتھی کا انتخاب کسی ایک حصے کیلئے نہیں، پوری زندگی کے لئے ہونا چاہئے"

آزاد:۔ "فلسفہ میں نے بھی پڑھا ہے، بحر خیالات میں میں بھی غوطے کھاتا رہتا ہوں۔ ادب اور لٹریچر سے میں بھی کچھ واقف ہوں، انسانی نفسیات کا تھوڑا بہت مطالعہ میں نے بھی کیا ہے، لیکن سچ کہتا ہوں، میرا ہر علم، میرا ہر تجربہ تمہاری ہر چٹان سے ٹکرا کر پاش پاش ہو جاتا ہے۔

رابعہ (مسکرا کر):۔ "لیجئے خواہ مخواہ مجھے آپ نے چٹان بنا دیا"

آزاد:۔ "جو کچھ بھی تمہارے بارے میں کہا جائے، وہ کم ہے تمہیں سمجھنا مشکل ہے، ناممکن ہے قطعاً ناممکن"

رابعہ:۔ "بہت خوب اچھی خاصی ہنستی بولتی آپ کے سامنے بیٹھی ہوں اور آپ نے مجھے ایک پہیلی بنا دیا، جسکا سمجھنا بھی مشکل اور سمجھانا بھی دشوار"

آزاد:۔ "نہیں تم پہیلی بھی نہیں ہو۔ خدا ہی بہتر جانتا ہے کیا ہو؟ میں تو

سمجھتا ہوں میرے لئے تم قدرت کا انتقام ہو۔"

رابعہ (ہنسکر) آج کیا ہو گیا ہے، آپ نے پہلے چٹان بنایا پھر پہیلی اور اب انتقام۔ آخر آپ مجھے میری جگہ پر کیوں نہیں رہنے دیتے؟

آزاد:۔" باغ میں جاؤ وہاں تمہیں بڑے بڑے درخت ملیں گے، آم کے، درخت پر آم کا بور نظر آئے گا اور اس میں سے بھینی بھینی خوشبو نکلتی محسوس ہو گی جو اس بات کی گواہی دے گی کہ درخت کس چیز کا ہے اور اس کے خواص کیا ہیں، کسی چمن میں گل گشت کے لئے نکل جاؤ اور چنبیلی، موتیا، گلاب، کوئی سا پھول بھی توڑو اور سونگھو تو اس میں سے وہی جانفزا اور روح پرور خوشبو آئے گی جو اس سے مخصوص ہو گی۔"

رابعہ:۔" ہاں آپ ٹھیک کہتے ہیں، ہر شخص جانتا ہے ان باتوں کو،

آزاد:۔" لیکن تم ایسا پھول ہو جس سے خوشبو نہیں نکلتی، جہنم کے شعلے نکلتے ہیں۔"

رابعہ:۔" پھر بھی آپ مجھ سے باتیں کرنا چاہتے ہیں، میں جانے لگتی ہوں، تو جانے نہیں دیتے، آپ کو تو نفرت کرنی چاہئے مجھ سے۔"

آزاد:۔" سچ کہتی ہو، میں نے بارہا ارادہ کیا کہ تم سے نفرت کروں، لیکن نہ کر سکا جب تمہیں آتے دیکھا ہے بے قرار ہو کر اٹھا ہوں کہ دروازہ بند کر دوں اور تم واپس چلی جاؤ، لیکن تمہارے قدموں کی آہٹ سن کر مجبور ہو گیا۔ کتنی عبرت انگیز ہے میری یہ بے بسی، غور کرتا ہوں، تو حیران رہ جاتا ہوں۔ یہ وہی میں ہوں جو اتنا بگڑ گیا ہوں۔"

رابعہ:۔" آپ کیا تھے اور کیا ہیں۔ اس کا فیصلہ تو میں نہیں کر سکتی۔ لیکن اپنے بارے میں کہہ سکتی ہوں، میں وہی ہوں جو تھی اور وہی رہوں گی، جو ہوں۔

آزاد:۔" تم کچھ بھی تھیں، کچھ بھی ہو، لیکن میں ایک ہی بات کہہ سکتا ہوں ؎

تم ہو یا بلا ہو جو کچھ ہو
کاش کہ تم میرے لئے ہوتے

رابعہ:۔" یہ ان ہونی بات ہے، یہ خیال دل سے نکال دیجئے۔"

آزاد:۔" خوش میں آکر، کیوں؟ کیا میں بدصورت ہوں، بوڑھا ہوں، محتاج ہوں، جاہل ہوں، بے وقوف ہوں، کیا ہوں، آخر تم مجھے ناقابل التفات کیوں سمجھتی ہو؟"

رابعہ:۔" آپ بگڑ گئے، اور میں اسے اقتضائے عمر پر محمول کروں گی، تو اور زیادہ خفا ہو جائیں گے آپ؟

آزاد:۔" گویا آپ نے مجھے سرٹیفکیٹ دیدیا کہ میں بوڑھا ہوں۔

رابعہ:۔" آپ بوڑھے کے لفظ سے چڑتے کیوں ہیں۔ شاید آپ کی نظر میں بوڑھے کا تصور یہ ہے کہ سن سفید بال ہوں، منہ میں دانت نہ پیٹ میں آنت، رعشہ کے باعث سر ہلتا ہو، اور ہر وقت وجد کی کیفیت طاری رہتی ہو، آواز کانپتی ہو، حافظہ جواب دے چکا ہو، بینائی کا یہ عالم ہو کہ غار کا دہانہ سوئی کا ناکہ نظر آتا ہو، لیکن میرے نزدیک بڑھاپے کا تصور یہ ہے کہ انسان توازن سے محروم ہو جائے خواہ اس کی عمر دس سال کی ہو یا بیس سال کی۔"

آزاد: "سبحان اللہ! کیا بات فرمائی ہے آپ نے۔"

رابعہ: "میرا مذاق تو اڑائیے نہیں۔"

آزاد: "ہر بات میں برائی کا پہلو نکال لیتی ہو۔ آخر یہ کیا طریقہ ہے؟"

رابعہ: "اسی وقت جب وہ نظر آتا ہے۔ ڈھونڈتی نہیں۔"

آزاد: "تو اپنا مدعا کن الفاظ میں بیان کروں؟"

رابعہ: "میں ایسے کسی طریقے سے واقف نہیں ہوں، اور آپ نے یہ بات چھیڑ دی ہے تو صاف صاف سن لیجئے، یہ بیل منڈھے نہیں چڑھ سکتی۔"

آزاد: "وہ تو میں سمجھ گیا۔ لیکن اگر یہ بھی معلوم ہو جائے کہ کیوں تو میں شکریہ ادا کروں گا۔"

رابعہ: "زندگی اور زندگی نبھانے کے بارے میں کچھ عجیب سے خیالات ہیں میرے۔"

آزاد: "یہ تو میں بہت دنوں سے جانتا ہوں۔ بلکہ بھگت رہا ہوں۔"

رابعہ: "آپ نے ابھی ایک لمبی سی فہرست سنائی تھی، یعنی یہ کہ نہ آپ بوڑھے ہیں، نہ محتاج، نہ جاہل ہیں نہ بے وقوف، نہ بدصورت ہیں نہ ناکارہ، پھر میں کیوں آپ کو نظر انداز کرتی ہوں۔"

آزاد: "یہی تو میں معلوم کرنا چاہتا ہوں۔"

رابعہ: "تو سن لیجئے، میں ایک بوڑھے سے شادی کر سکتی ہوں، ایک محتاج بے وقوف، بدصورت شخص کو اپنا رفیق حیات بنا سکتی ہوں، لیکن کسی ایسے شخص کو منتخب نہیں کر سکتی جس میں ایثار کا مادہ نہ ہو، جو دوسروں

کے لئے کچھ قربانی نہ کر سکتا ہو۔ جسے صرف اپنا وجود عزیز ہو، اپنی خواہش پیاری ہو، دوسرے کا وجود ہیچ سمجھتا ہو۔ دوسرے کی خواہش پامال کرنے میں ذرا بھی نہ جھجکتا ہو۔"

آزاد: "یہ تو تم نے نئی بات چھیڑ دی۔"

رابعہ: "جی نہیں۔ یہ ایک حقیقت ہے۔"

آزاد: "میری ساری زندگی ایثار کے سوا اور ہے کیا؟ ایک پاؤں گھر میں ایک جیل میں، نہ اپنی نیند سونا نہ اپنی بھوک کھانا۔"

رابعہ: "(تبسم کے ساتھ) یہی چیز تھی جس نے اندرا کے دل میں پہلے آپ کی عقیدت پھر محبت پیدا کی، لیکن شروع سے میری یہ رائے ہے کہ یہ ایثار نہیں خود فروشی ہے۔"

آزاد: "تم نے یہ ایسی بات کہی ہے جو میرے کسی بدترین دشمن نے بھی نہیں کہی ہوگی۔"

رابعہ: "میں اگر آپ کی دشمن بھی ہوں تو بہترین۔"

آزاد: "کاش تم دوست ہوتیں ـــــ تمہیں اس سے انکار ہے کہ میری زندگی ایثار کی زندگی ہے ـــ مانے لیتا ہوں، اب تک جو میں نے زندگی بسر کی وہ ایثار کی نہیں خود فروشی کی زندگی ہے۔"

رابعہ: "جس دن آپ یہ مان جائیں گے، بڑے اچھے آدمی بن جائیں گے۔"

آزاد: "آج سے میں ایثار کی زندگی اختیار کروں گا۔ وہ ایثار جسے تم ایثار کہہ سکو، بتاؤ کیا چاہتی ہو، کس ایثار کی مجھ سے توقع رکھتی ہو۔؟"

رابعہ: "یہ صرف الفاظ ہیں یا ان کے ساتھ جذبہ کار بھی شامل ہے؟"

آزاد: "کہہ کے دیکھو — ہاتھ کنگن کو آرسی کیا ہے؟"

رابعہ: "وعدہ کرتے ہیں کہ جب ایثار کی طرف میں رہنمائی کروں گی آپ اُسے اپنی زندگی کا شعار بنا لیں گے؟"

آزاد: "ہاں میں وعدہ کرتا ہوں، صرف وعدہ نہیں عہد بھی، پختہ اور مستحکم عہد۔"

رابعہ: "شکریہ — تو پھر آپ اندرا سے شادی کر لیجیے۔"

آزاد: "یہ نہیں ہو سکتا، ہرگز نہیں ہو سکتا۔"

رابعہ: "کیوں؟ یہ نہ بھولیے ابھی آپ نے ایک پختہ اور مستحکم عہد کیا تھا۔"

آزاد: "اس پر میں اب بھی قائم ہوں، لیکن اندرا کو بیچ میں نہ لاؤ۔"

رابعہ: "کیوں - کیا آپ اس سے محبت نہیں کرتے تھے؟ کیا وہ آپ سے محبت نہیں کرتی تھی؟"

آزاد: "میں نے اس سے کبھی محبت نہیں کی - وہ میرا ایک کھلونا تھی۔"

رابعہ: "لیکن وہ اب بھی محبت کرتی ہے آپ سے، آپ اس کے دیوتا ہیں۔"

آزاد: "یہ بے معنی الفاظ ہیں۔"

رابعہ: "اچھا محبت کا ذکر چھوڑیے، مان لیا، آپ نے اس سے کبھی محبت نہیں کی لیکن اس کی زندگی کی تباہی کا صرف آپ ہی سبب ہیں کیوں نہ اس گرتی ہوئی عمارت کو بڑھ کر سنبھال لیجیے؟ ایثار اسی کو تو کہتے ہیں۔"

آزاد: "نہیں مس رابعہ یہ نہیں ہو سکتا۔"

رابعہ: "سچ کہتی ہوں۔ اگر میں مرد ہوتی اور کسی طرح اندرا کی تباہیوں کا حال مجھے معلوم ہو جاتا تو بغیر جان پہچان کے اس کے پاس پہنچتی اور اس سے کہتی آؤ میرے پاس رہو۔ مجھے اپنی زندگی کا جزو بنا لو اور پھر ساری زندگی اس طرح اس کے ساتھ گزار دیتی۔ کہ کبھی وہ یہ محسوس کر سکتی کہ مجھے اس سے محبت نہیں ہے۔"

آزاد: "واقعی کردار کی بلندی کی یہ انتہا ہے، افسوس اس معیار پر میں پورا نہیں اُتر سکتا۔ میں صرف تمہارے لئے ایثار کر سکتا ہوں، جو کہو، جو چاہو لیکن کسی اور کو یہ حق نہیں دے سکتا۔"

رابعہ: "شکریہ لیکن آپ کو معلوم نہیں میری شادی بہت جلد ہو رہی ہے۔"

آزاد: (سراسیمہ ہو کر) کیا کہا؟ تمہاری شادی ہو رہی ہے تم شادی کر رہی ہو؟

رابعہ: "جی ہاں — اور بہت جلد میں اپنے ہونے والے شوہر کو لے کر آپ کے پاس آؤں گی، آپ کو ملاؤں گی!"

آزاد: "لیکن تمہیں میرا دروازہ بند ملے گا۔"

رابعہ: "میں اس کو کھول لوں گی، کھلوا لوں گی، میرے قدموں کی آہٹ سن کر آپ خود بند دروازہ کھولنے پر مجبور ہو جائیں گے۔"

اور پھر وہ مسکراتی ہوئی اٹھی اور مسکراتی ہوئی چلی گئی —

گیارھواں باب (۱۱)

آزاد کو آج جن حالات سے دوچار ہونا پڑا تھا وہ اپنی نوعیت کے اعتبار سے بے انتہا تکلیف دہ اور روح فرسا تھے اب تک جس تہج پر وہ اپنی زندگی گزار رہا تھا اس کی مثال اس کوہستانی نالے کی طرح تھی جو بڑی تیزی سے بل کھاتا آگے بڑھتا ہے، اور ہر چیز کو لپیٹ میں لے لیتا ہے جو اس کے سامنے آتی ہے، سنگریزے، چٹانیں، دیواریں، درخت پتھر، کوئی چیز بھی اس کے راستے میں رکاوٹ نہیں ڈالتی، بالکل یہی کیفیت آزاد کی تھی، وہ پندار شباب میں مست آگے بڑھ رہا تھا اور جو اسکی زد میں آتا تھا اسے گردن جھکا کر اس کا ساتھ دینا پڑتا تھا۔ اسکی اکڑی ہوئی گردن میں آج تک کوئی خم پیدا نہ کر سکا تھا۔ آج پہلی مرتبہ عذرا نے اسے جھنجھوڑا، اور تہہ و بالا کر کے رکھ دیا۔ مس شیلا

اور مس زینب سے اس نے کیسی کیسی امیدیں باندھ رکھی تھیں، آج وہ بھی میٹ گئیں۔

حیدر اور نیاز لاکھ اس کے بے تکلف دوست اور محرم اسرار سہی لیکن اس کی عزت کرتے تھے، آؤ بھگت کرتے تھے، آج ان کے سامنے عذرا نے اس طرح ذلیل کیا کہ پھر وہ سر نہ اٹھا سکا، آنکھیں نہ چار کر سکا۔

نیاز کے گھر سے نکل کر وہ بڑی دیر تک یہ سوچتا رہا کہ کہاں جائے؟ ہوٹل میں عذرا بتا چکی تھی، اندرا اور رابعہ اس کی منتظر ہیں، یہ سوچ کر وہ پیچ و تاب کھانے لگا، کہ یہ دونوں ایک جگہ کیوں ہیں؟ یقیناً رابعہ نے اندرا سے لگائی بجھائی کی ہوگی اسے ذلیل و رسوا کرنے میں کوئی دقیقہ نہ اٹھا رکھا ہوگا، نہ جانے کیسی کیسی گفتنی اور ناگفتنی باتیں کی ہوں گی۔ اور نہ جانے میرے بارے میں اس نے کیا رائے قائم کر لی ہوگی۔

میں کہاں جاؤں؟

کیا کروں؟

عذرا یہی تو کہہ رہی تھی، اندرا کو اس کے شوہر نے نکال دیا۔ یک نہ شد دو شد۔

ضرور نکال دیا ہوگا، مگر میں اب کیا کر سکتا ہوں؟

یقیناً اندرا بھی مجھے دیکھ کر وہی تباہی بکنے لگے گی اور ویسی ہی جذباتی باتیں کرے گی، جیسی ابھی عذرا نے کیں۔

لیکن میں کیا جواب دوں گا؟

کیا اس سے کہہ دوں، آؤ ہم تم ایک نئی زندگی کا آغاز کریں تم اپنے خاندان کو بھول جاؤ، میں اپنے ماضی کو فراموش کر دوں اور ہم دونوں مل کر ایک نئی دنیا بسائیں، جہاں محبت اور الفت کی حکومت ہو، جہاں پریم کا راج ہو، جہاں تک سماج کا پنجہ نہ پہنچ سکے، جہاں کوئی رابعہ کانٹا بنکر میرے دل میں نہ کھٹکے۔

لیکن نہیں، میں یہ نہیں کہوں گا، میں اپنی زندگی کو محدود نہیں کر سکتا میں اپنے جذبات کو پابند نہیں کر سکتا، میں اپنے خیالات پر بندش عاید نہیں کر سکتا۔ کتنی مہمل بات ہے کہ میں ایک ایسی عورت کو اپنی زندگی کا مالک و مختار بنالوں، جسے سماج نے دھتکار دیا ہے جسے اس کا خاندان تک قبول کرنے پر آمادہ نہیں۔

یہ بات اگر کر سکتا ہوں تو صرف رابعہ کے ساتھ، لیکن وہ مجھ سے نفرت کرتی ہے۔

وہ میرا مذاق اڑاتی ہے۔

وہ مجھے حقیر و ذلیل تصور کرتی ہے۔

میں اس کی بارگاہ میں باریابی نہیں پا سکتا۔

لیکن یہ میں کیا سوچنے لگا۔ مجھے ہوٹل جانا ہے، وہاں اندرا سے ملنا ہے رابعہ اگر ہو تو اس کی بھی تند و تلخ باتیں سُننا ہیں۔ ؎

ہر چہ آید بر سر اولاد آدم بگذرد

کوئی پروا نہیں ان دونوں سے بھگت لوں گا، اندرا تو میرے سامنے

بات بھی نہیں کر سکتی، میرے الفاظ کے طلسم میں اس طرح اسیر ہو جائے گی۔ جیسے مکھی مکڑی کے جالے میں۔ ہاں رابعہ ضرور جلی کٹی سنائے گی لیکن اس کی باتوں کو ہنسی میں اڑا دوں گا، قہقہہ لگا دوں گا ؎

دے وہ جس قدر ذلت ہم ہنسی میں ٹالیں گے
بالآخر اسے خاموش ہو جانا پڑے گا

لیکن رابعہ اور اندرا کے علاوہ وہاں ایک شخص بھی میرا انتظار کر رہا ہے دستور، ان میں یہ کمبخت کہاں سے آگیا؟ کیوں آیا، کیا چاہتا ہے؟ اور ہاں یہ جمیل صاحب دستور کے معاملے میں اتنی دلچسپی کیوں لے رہے تھے۔؟

خیر کچھ بھی ہو، مجھے وقت ضائع نہ کرنا چاہئے، ہوٹل پہنچکر صورت حال کا مقابلہ کرنا چاہئے۔

آزاد یہی سوچتا ہوا ہوٹل پہنچا۔ رات کافی گزر چکی تھی، وہ اپنے کمرے میں داخل ہوا، وہاں رابعہ نہیں تھی، اندرا بھی نہیں تھی، لیکن دستور موجود تھا۔ وہی تھیٹریکل کمپنی کا مالک جس نے پہلے پہل عالیہ کا تعارف کرایا تھا۔ دستور کو دیکھ کر اس نے مسکرانے کی کوشش کی، لیکن دستور اخلاق و آداب کے ہر دستور سے بے نیاز ہو کر چیخ پڑا۔

شہزادے تم آگئے۔ میں کتنی دیر سے تمہارا انتظار کر رہا ہوں، اگر پانچ منٹ اور نہ آتے تو میں بھی مایوس ہو کر چلا جاتا۔

آزاد نے دل ہی دل میں اپنی بدقسمتی پر افسوس کیا کاش وہ پانچ

منٹ لیٹ ہوتا۔ تاکہ اس مصیبت کا سامنا نہ کرنا پڑتا۔ لیکن اس نے بناوٹی اخلاق سے کام لیتے ہوئے کہا۔

دستور صاحب اگر آپ چلے جاتے تو مجھے بڑا افسوس ہوتا۔ آپ سے ملنے کے لئے طبیعت بے چین تھی، کہئے کہاں رہے اتنے دنوں؟

دستور:۔ یہ نہ پوچھو شہزادے۔ عالیہ نے خودکشی کر کے مجھے بھی کہیں کا نہ چھوڑا۔ میرا کاروبار چوپٹ ہوگیا، کمپنی دیوالیہ ہوگئی، دوستوں نے ساتھ چھوڑ دیا، اپنے بیگانے ہوگئے اور سب سے بڑھ کر یہ کہ پولیس میرے پیچھے پڑ گئی۔

آزاد:۔ آپ نے پولیس کا کیا بگاڑا تھا؟ وہ کیوں پیچھے پڑی؟

دستور:۔ ارے صاحب خودکشی عالیہ نے کی پکڑے ہم گئے، جب دیکھئے جب پولیس کے لوگ آرہے ہیں یا ہمیں تھانے بلایا جارہا ہے، اور پوچھا جاتا ہے، عالیہ نے خودکشی کیوں کی؟

آزاد:۔ کیا واقعی عالیہ نے خودکشی کی تھی؟

دستور:۔ (مسکراتے ہوئے) شہزادے ایسی بھولی باتیں نہ کرو۔

آزاد:۔ یعنی آپ کے خیال میں عالیہ کی خودکشی کا میں ذمہ دار ہوں؟

دستور:۔ بے شک تم ذمہ دار ہو، ذمہ دار نہیں، قاتل، تم نے اسے مارا ہے، تم نے اس کی جان لی ہے، تم نے اس کی آرزوؤں کو کچلا ہے، تم نے اسے دھوکا دیا، تم نے اسے فریب دیا، تم نے اسے محبت کے جال میں پھانسا یا

کا تماشا دیکھنے لگے، پہلے تم عاشق بنے۔ پھر معشوق بن گئے، تم نے اسے چاہا۔ اور جب وہ تمہیں چاہنے لگی تو تم نے اس سے نفرت شروع کر دی تم نے اسے ذلیل کیا، تم نے اسکا دل توڑا، تم نے اسے خودکشی پر مجبور کیا۔

آزاد:۔ (برہمی کے ساتھ بلند آواز سے) غلط میں نے یہ کچھ نہیں کیا، تم جھوٹے ہو پرلے درجے کے!

دستور:۔ کاش میں جھوٹا ہوتا، شہزادے صاحب میں نے پردے کے پیچھے کھڑے ہو کر وہ تمام باتیں اپنے کانوں سے سنی تھیں جو تمہارے اور اس کے درمیان ہوتی تھیں۔ ہائے وہ معصوم اور نادان چھوکری کس کس طرح تمہاری خوشامدیں کر رہی تھی، منت کر رہی تھی، آہ وزاری کر رہی تھی تمہیں رام کرنے کی کوشش کر رہی تھی، لیکن تم اکڑے ہوئے تھے، تمہارے چہرے پر بے رخی اور بے مروتی جھلک رہی تھی، تمہاری آنکھوں سے نفرت اور غصے کے شرارے نکل رہے تھے۔ اُف! تمہارا دل دل نہیں پتھر ہے، تم نے اسے روتے دیکھا، لیکن اس کے آنسو نہ پونچھ سکے۔ تم نے اسے سسکیاں لیتے دیکھا لیکن اسے تسلی نہ دے سکے۔

آزاد:۔ مسٹر دستور آپ کیا چاہتے ہیں؟

دستور:۔ (مسکرا کر) اب آئے راہ راست پر سمجھوتہ کرو گے؟

آزاد:۔ میرے آپ کے درمیان کوئی لڑائی نہیں۔

دستور:۔ دیکھئے شہزادے صاحب آپ صرف اسلئے بچ گئے کہ مجھے آپ کا نام نہیں معلوم تھا، آپ کی قیام گاہ سے میں ناآشنا تھا، ورنہ یقین کیجئے

اس وقت تک جیل میں آپ پرانے ہو چکے ہوتے، پولیس کو بھنک مل چکی تھی کہ عالیہ کی خودکشی کا ذمہ وار وہ شخص ہے جو ہر روز تھیٹر آیا کرتا تھا۔ اور تماشہ ختم ہونے کے بعد اس سے باتیں کیا کرتا تھا۔ میں نے تصدیق بھی کر دی تھی ہاں واقعی ایسا تھا، لیکن جب پولیس نے پوچھا، وہ کون شخص تھا تو میں کچھ نہ بتا سکا۔ لیکن مسٹر آزاد آپ کو معلوم ہونا چاہئے آج میں آپ کو آپکے نام سے مخاطب کر رہا ہوں، اور وہاں بیٹھا ہوں جہاں آپ رہتے ہیں۔ بڑی مشکل سے رشوت دینے کے بعد پولیس نے میری جان چھوڑی اور اب اگر میں آپ کو لے جا کر اس کے سامنے کھڑا کر دوں تو وہ میرا شکریہ ادا کریگی ممکن ہے مجھے انعام بھی دے، اور یہ بات تو بالکل یقینی ہے کہ آپ پکڑے جائیں گے۔ عدالت نے شبہ کا فائدہ دے کر چھوڑ دیا تو بھی آپ کا نام نامی روزانہ اخبارات کے پہلے صفحے پر موٹے موٹے اور سنسنی خیز عنوانات کے ساتھ چھپے گا۔ اور دنیا جان لے گی آزاد صاحب کیسے رنگ سیار ہیں لیڈر بھی اور بدمعاش بھی، راہنما بھی اور عیاش بھی، راہبر بھی اور راہزن بھی ایک ہی وقت میں سب کچھ، بہت کچھ بڑا مزا آئے گا۔ خدا کی قسم کہئے کیسی کہی؟"

آزاد: "مسٹر دستور میں پھر پوچھتا ہوں، آپ کیا چاہتے ہیں بتائیے؟"

دستور: "مسٹر آزاد، میں بھی پھر اپنا سوال دہراتا ہوں:

کیا آپ سمجھوتہ کرنا چاہتے ہیں؟ بتائیے، جواب دیجئے؟"

آزاد: "یقیناً — میں سمجھوتہ کرنے کو تیار ہوں۔"

دستور: "شکریہ!"

ہر چہ دانا کند کند ناداں
لیک بعد از خرابیٔ بسیار

بہر حال اگر صبح کا بھولا شام کو گھر آجائے تو اسے بھولا نہیں کہتے"

آزاد: "مجھے اس سے کوئی بحث نہیں کہ اسے کیا کہتے ہیں؟ کام کی باتیں کیجئے بتائیے سمجھوتہ کس طرح ہوگا؟ اس سلسلے میں مجھے کیا کرنا پڑیگا؟"

دستور: "بات یہ ہے کہ عالیہ کی موت نے میرا کاروبار ختم کر دیا مجھے کہیں کا نہ رکھا"

آزاد: "میں جانتا ہوں۔ مجھے آپ سے ہمدردی ہے"

دستور: "بدقسمتی سے میں ابھی زندہ ہوں اور جب تک زندہ ہوں۔ زندگی کی ضروریات سے بے نیاز نہیں ہو سکتا۔ یہ تو آپ مانتے ہیں نہ؟"

آزاد: "بے شک زندگی قائم رکھنے کے لئے جد و جہد کرنی پڑتی ہے۔ بغیر اس کے کام نہیں چل سکتا"

دستور: "بجا فرمایا۔ بس تو زندگی قائم رکھنے کے لئے جو جد و جہد میں کر رہا ہوں۔ اس میں میرا ہاتھ بٹائیے"

آزاد: "میں تیار ہوں — کس طرح؟"

دستور: "میری مدد کیجئے۔ کم از کم پچاس ہزار روپیہ مجھے چاہئے۔ بغیر اس کے نہ میں اپنا کاروبار جاری رکھ سکتا ہوں، نہ زندگی قائم رکھ سکتا ہوں"

آزاد: "لیکن مجھ سے فراموش نہ کیجئے کہ آپ کا مخاطب کوئی سیٹھ یا ساہوکار

نہیں ایک قومی کارکن ہے!"

دستور: "میں جانتا ہوں، میرا مخاطب وہ شخص ہے جو نہ سیٹھ ہے نہ ساہوکار۔ نہ لکھپتی ہے، نہ کروڑپتی، نہ سرمایہ دار، نہ کارخانہ دار لیکن اسکی زندگی کا ٹھاٹھ ان سب سے بڑھ کر ہے۔"

آزاد: "کیا مطلب؟ آپ کیا کہنا چاہتے ہیں؟"

دستور: "میں یہ عرض کر رہا ہوں کہ میرا ممدوح کچھ نہیں ہے۔ لیکن شان و شوکت کی زندگی بسر کرتا ہے، شاندار ہوٹل میں رہتا ہے خوبصورت موٹر میں سیر کرتا ہے، حسینوں اور نازنینوں کے جھرمٹ میں زندگی بسر کرتا ہے — جو شخص ایسا ہو، وہ اتنا گیا گزرا تو نہیں ہو سکتا کہ اپنی جان اور آبرو بچانے کے لئے پچاس ہزار روپیہ صرف نہ کر سکے۔ اور اگر آپ کو انکار ہے تو میں چلا۔ آداب عرض!"

آزاد: "ایسا معلوم ہوتا ہے آپ لڑنے کے لئے آئے ہیں؟"

دستور: "جی نہیں معاملہ کرنے آیا تھا، بات نہ بن سکی اب جاتا ہوں۔"

آزاد: "بیٹھئے۔ اپنی مجبوری کے ساتھ دوسرے کی مجبوری بھی پیش نظر رکھئے نوک خنجر سے کام لینا کوئی معقول طریقہ نہیں۔"

دستور: "تو یہ کہئے میں لوک خنجر سے کام کیا لوں گا؟ آپ نے خنجر کا نام لیا، اور میرا دل دھڑکنے لگا۔ خدا کے لئے اب یہ نام نہ لیجئے گا۔"

آزاد: "عجیب قسم کے آدمی ہیں آپ بھی۔"

دستور: "کیوں! کیا دیکھا ہے، آپ نے مجھ میں؟"

آزاد: "باتیں کیجئے تو باغ و بہار معاملے پر آئیے۔ تو شمشیر آبدار، کیا اس سے بڑھ کر بھی کوئی عجیب باتیں ہو سکتی ہیں؟"

دستور: "میرے خیال میں ہم دونوں نے ایک دوسرے کی کافی تعریف کر لی ہے، رات کا بڑا حصہ گزر چکا، اب ہمیں رخصت ہونا چاہئے۔"

آزاد: "یہ تو میں بھی چاہتا ہوں۔ لیکن (مسکرا کر) ؎

وہ طریقہ تو بتا دو تمہیں چاہیں کیونکر؟

ہمارا آپ کا معاملا بھی تو طے ہونا چاہئے۔"

دستور: "جی ضرور! میری خواہش بھی یہی ہے۔"

آزاد: "دیکھئے دستور صاحب! میں ایک قومی کارکن ہوں، جتنا روپیہ آپ مانگتے ہیں۔ کسی طرح نہیں دے سکتا۔"

دستور: "میں مجبور بھی نہیں کر سکتا آپ کو۔"

آزاد: "لیجئے پھر خفا ہو گئے، اتنی نازک دماغی تو میں نے خوبصورت عورتوں میں بھی نہیں دیکھی۔"

دستور: "خفا ہونے کی اس میں کیا بات ہے یہ تو معاملہ ہے ہو گیا تو ٹھیک، نہ ہوا تو بہتر۔

"مابخیر شما بسلامت"

آزاد: "لیکن سنئے تو جناب! اس طرح بار بار اٹھنے سے کیا حاصل؟ جو کچھ میں کر سکتا ہوں وہ بھی تو سن لیجئے۔ ممکن ہے، وہ آپ کیلئے قابل قبول ہو؟"

دستور: "فرمائیے! سن رہا ہوں۔"

آزاد: "موجودہ حالات میں پانچ ہزار روپیہ میں آپ کی خدمت میں پیش کر سکتا ہوں اور اگر آپ ایک ہفتہ کی مہلت دیں تو دس ہزار بھی ممکن ہے، اس سے زیادہ میرے اختیار میں کچھ نہیں، خواہ آپ مجھے جیل بھجوا دیں، یا پھانسی چڑھا دیں۔"

دستور: "میں آپ کی اس صاف گوئی کی قدر کرتا ہوں۔ اور اپنی صاف گوئی پر معافی چاہتا ہوں، بس میں آپکی پیش کش نہیں قبول کر سکتا۔"

آزاد: "ابھی آپ مجھے سنگدل اور بے مروت کہہ رہے تھے لیکن ذرا اپنا جائزہ بھی تو لیجئے کیا آپ جیسے شخص سے اس بے رحمی اور بے مروتی کی توقع ہو سکتی ہے۔"

دستور: "اچھا آزاد صاحب سنئے میں اب جاتا ہوں۔ آج کے پندرھویں دن آؤں گا۔ اگر آپ نے پچیس ہزار روپیہ دے دیا تو میری آپ کی صلح ہے، اور اگر یہ رقم آپ نہ دے سکے تو پھر معاملے کا فیصلہ اس کمرے میں نہیں کسی اور جگہ ہوگا۔"

دستور چلا گیا۔ اور آزاد خاموش کھڑا اس وقت تک اسے دیکھتا رہا جب تک وہ نظروں سے اوجھل نہ ہو گیا۔

بارھواں باب (۱۲)

دستور کے جانے کے بعد آزاد بستر پر لیٹ گیا۔ لیکن نیند اس کی آنکھوں سے اتنی ہی دور تھی جتنی دور عذرا کے دل سے مسرت وہ بار بار کروٹیں لیتا تھا۔ پہلو بدلتا تھا، آنکھیں بند کرتا تھا، ذہنی یکسوئی حاصل کرنے کی کوشش کرتا تھا لیکن کسی پہلو اسے قرار نہ تھا کبھی اس کے کانوں میں دستور کی آواز گونجنے لگتی، کبھی اس کی آنکھوں کے سامنے عذرا کی تصویر آ جاتی، کبھی اندرا پوری رعنائی اور تمکنت کے ساتھ عالم خیال میں اس کے پاس آ بیٹھتی، کبھی تصور کی دنیا میں رابعہ اس سے دل خراش اور صبر آزما باتیں کرنے لگتی، طنز، تحقیر اور مضحکہ —— دل برداشتہ ہو کر وہ ان سب سے پیچھا چھوڑانا چاہتا ہے، لیکن وہ بے بس تھا۔ نہ دستور کی آواز روک سکتا تھا، اس کا جی چاہا کہیں باہر چلا جائے، یہ شہر چھوڑ دے

کہیں اور جا بسے، یہاں کے لوگوں کو موقع دے کہ کچھ مدّت کے لئے اسے بھول جائیں، لیکن پھر یہ سوال پیدا ہوتا تھا، جائے کہاں؟ وہ کونسی جگہ ہو سکتی ہے جو اس کے گناہوں کو ڈھانپ لے؟ اس کی روسیاہی پر پردہ ڈال دے؟ اور اس کی پذیرائی کر سکے؟"

پھر وہ سوچنے لگا۔ اگر نہ جاؤں یہیں رہوں تو دستور کو دینے کے لئے پچیس ہزار روپیہ کہاں سے لاؤں؟ نہ دوں تو پولیس پیچھے جھاڑ کر پیچھے پڑ جائیگی، ذلّت اور رسوائی کا تحفہ مفت میں ملے گا۔ یہ پچیس ہزار روپے دستور کمبخت کو دینا ہی پڑیں گے، نیاز اور حیدر اگر اس وقت بھی کام نہ آئے تو لعنت ہے ان کی دوستی پر اور ہاں وہ سیٹھ جگل کشور، جو بڑا دیش بھگت بنا پھرتا ہے اور اپنے ہر انتخابی جلسہ میں مجھ سے تقریریں کراتا ہے وہ اکیلا پچیس ہزار نہیں پچیس لاکھ دے سکتا ہے۔ آخر وہ کس کام آئے گا، اس کی دولت میں میرا حصّہ بھی ہے اور یہ حصّہ میں لے کر رہوں گا۔

لیکن اس کمبخت عذرا کا کیا علاج؟ بڑی زیرک بھی نکلی کیسی دیوانی ہوئی سر جھاڑ، منہ پھاڑ، دوڑ لگاتی نیاز کے بنگلے میں پہنچی اور کیسی چٹاخ پٹاخ باتیں شروع کر دیں؟ ؎

مارا ازیں گیاہِ ضعیف ایں گماں نہ بود

میں تو سناٹے میں آ گیا، اس کی باتیں سن کر، اگر کسی دن میری تقریر کے دوران میں اسٹیج پر پہنچ گئی، اور وہاں جوابی تقریر شروع کر دی تو

کیا ہوگا؟ کس طرح اس چڑیل کو ایسی باتوں سے روکوں؟ اس کا حوصلہ بڑھ چکا ہے۔ جلدی ہی کوئی تدارک ہونا چاہیئے ورنہ یہ فتنہ بڑھتے بڑھتے بہت جلد قیامت بنجائیگا، اور پھر کچھ نہ ہو سکے گا۔"

آج عالیہ بھی بہت یاد آ رہی ہے۔ کیوں؟ اس کی بھولی بھالی معصوم اور دل آویز باتیں یاد آ رہی ہیں ؎

بھلاتا لاکھ ہوں لیکن وہ اکثر یاد آتے ہیں

واقعی میں نے اس غریب پر بڑا ظلم کیا۔ میں اسے سمجھ نہ سکا میں نے اس کی قدر نہ کی، وہ لالۂ صحرائی جب زیب چمن بننے کے لئے گلستاں میں پہنچا تو مسل دیا گیا، یہ بہت بڑا ظلم ہے اور یہ ظلم میں نے ہی کیا ہے، کاش وہ نہ مرتی، وہ زندہ ہوتی تو آج کتنا سکون ملتا مجھے اس سے۔ وہ میری ہر مصیبت، ہر آفت اور ہر حادثے کو اپنے سر لے لیتی ـــ لیکن اگر عذرا! موت بھی نہیں آ جاتی کمبخت کو۔ اسی طرح اس کے گھر پہنچتی اس کے سامنے مجھے بے نقاب کرتی اور میرے عیاشانہ کارنامے بیان کرتی تو کیا ہوتا؟ کیا عالیہ پھر بھی اس سے محبت کرتی رہتی؟ کیا وہ مجھ سے نفرت نہ کرنے لگتی؟

لیکن یہ میں کیا سوچ رہا ہوں۔ عالیہ مر چکی، اور مرنے کے بعد کوئی زندہ نہیں ہوتا، وہ کتاب زندگی کا ایک گمشدہ ورق ہے اسے یاد کرنے سے کیا حاصل؟ ؎

وہ بات کوہ کن کی گئی کوہ کن کے ساتھ

قصۂ ماضی یاد کرنا بیکار ہے، شیلا اور زینب نے عذرا کی باتیں سن کر میرے بارے میں کیا رائے قائم کی ہوگی؟ اس کم بخت نے کتنی بڑی نعمت سے مجھے محروم کر دیا۔ کاش یہ دونوں بہری ہوتیں اور انھوں نے عذرا کی باتیں نہ سنی ہوتیں، کاش یہ دونوں بیوقوف اور سادہ لوح ہوتیں، اور انھوں نے عذرا کی باتوں پر یقین نہ کیا ہوتا، لیکن یہ دونوں بھی بڑی گھاگ ہیں، میں محسوس کر رہا تھا عذرا کی باتیں ان کے دل پر نقش ہوتی جاتی ہیں، بلکہ ایک مرتبہ دونوں سے میری آنکھ چار ہوئی، تو میں نے ایسا جانا، جیسے وہ آنکھوں آنکھوں میں کہہ رہی ہیں ؎

کبھی ہم سے کبھی غیروں سے شناسائی ہے
بات کہنے کی نہیں تو بھی تو ہرجائی ہے

تیرھواں باب (۱۳)

آزاد کا معمول تھا وہ رات کو دیر سے سوتا اور صبح کو دیر سے اٹھتا تھا، آج چونکہ وہ رات بھر نہیں سویا۔ لہٰذا صبح اٹھنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوا۔ شب بیداری اور ذہنی کوفت نے ایک عجیب اضمحلال سا طاری کر دیا تھا۔ بہرحال حسب معمول غسل کیا، کپڑے بدلے شیو کیا، سر کے بال درست کئے اور ناشتے کی میز پر بیٹھ گیا۔ اب طبیعت کو قرار آچکا تھا۔ لہٰذا وہ یکسوئی کے ساتھ ناشتہ کر رہا تھا۔ ناشتہ ابھی ختم نہیں ہوا تھا کہ دروازہ کھلا آزاد نے نظر اوپر اٹھائی تو اندرا سامنے کھڑی تھی۔

ارے یہ وہی اندرا تھی؟ آج اسے کیا ہو گیا تھا؟ نہ آنکھوں میں وہ رس، نہ چہرے پر وہ ملاحت، نہ انداز میں وہ بانکپن۔ اور

نہ اطوار میں وہ شوخی، نہ رفتار و گفتار میں وہ قیامت۔ نہیں یہ اندرا نہیں ہو سکتی، یہ تو داغِ فراقِ محبت، شب کی جلی ہوئی کوئی شمع معلوم ہوتی ہے اتنی مختصر مدت میں اتنا بڑا انقلاب کیسے ہو گیا؟ کلی پھول بنی اور پھول کو ٹلہ بن گیا، یہ وہی اندرا ہے، جسے دیکھ کر آزاد بے ساختہ کہہ اٹھتا تھا۔

جس جائے سراپا یہ نظر جاتے ہے تیرے
ادے ہے یہی جی میں یہاں عمر بسر کر

یہ وہی پیکرِ حسن و جمال تھا جس پر نظر نہیں ٹھہرتی تھی جس کے آب و رنگ کے سامنے مہر خجل اور ماہ شرمندہ تھا۔ جس کی یاد میں آزاد کی نہ جانے کتنی بے قرار راتیں صرف ہوا کرتی تھیں۔ جسے پا کر وہ کہہ اٹھتا تھا ؎

چاہیں تو تم کو چاہیں دیکھیں تو تم کو دیکھیں
خواہش دلوں کی تم ہو آنکھوں کی آرزو تم

اور آج وہی دلوں کی خواہش اور آنکھوں کی آرزو پیکرِ یاس و حسرت بنی ایک مجرم کی طرح افسردہ اور دل گرفتہ کھڑی تھی۔

آزاد اسے دیکھ کر گھبرا گیا۔ وہ گھبرا کر اٹھا تو گرتے گرتے بچا۔ جلدی سے اندرا کے پاس پہنچا اور بے تابانہ لہجے میں کہا۔

"اندرا تم کب آئیں؟ خیریت تو ہے، یہ تم نے اپنا کیا حال بنا رکھا ہے؟"

اندرا:۔ "یہ حال میں نے نہیں قسمت نے بنایا ہے کل تک میں دنیا کی سب سے زیادہ خوش قسمت عورت تھی، آج بدقسمتی میں میرا کوئی جواب نہیں ہے

آزاد نے ہاتھ پکڑ کر اندرا کو پاس ہی صوفے پر بٹھا لیا، اور نہایت کے لہجے میں کہا۔

"کیسی باتیں کرنے لگیں تم؟ عقل کے ناخن لو، ہوش کی باتیں کرو، تمہیں بدقسمت کون کہہ سکتا ہے، تم دنیا کی سب سے زیادہ خوبصورت اور خوش قسمت عورت ہو، کل بھی تھیں، آج بھی ہو اور ہمیشہ رہو گی۔ ایسی باتیں تمہاری زبان پر زیب نہیں دیتیں۔"

اندرا:۔ "ایک زمانہ تھا۔ کہ آپ کے یہ میٹھے بول مجھے ایک نئی دنیا میں پہنچا دیتے تھے۔ انہیں میں جان سے زیادہ قیمتی سمجھتی تھی۔ یہ میٹھے بول میری زندگی کی سب سے بڑی پونجی ہے، لیکن آج تو میں انہیں اپنے اوپر ایک طنز سمجھ رہی ہوں۔"

آزاد:۔ "خدا کے لئے اندرا ایسی باتیں نہ کرو۔"

اندرا:۔ "بہت اچھا! خاموش ہوئی جاتی ہوں۔"

آزاد:۔ "نہیں میرا یہ مقصد نہیں، تمہیں جو کچھ کہنا ہے، ضرور کہو۔ میں سنوں گا۔"

اندرا:۔ "شاید آپ کو معلوم نہ ہو میرے شوہر نے مجھے چھوڑ دیا۔ طلاق دے دی۔"

آزاد:۔ "احمق، بے وقوف، بدقسمت — کیوں چھوڑ دیا؟ کیوں طلاق دے دی؟"

اندرا:۔ "اس لئے کہ انہیں کسی طرح میرے اور آپ کے تعلقات کا علم ہو گیا

تھا۔

آزاد: "لیکن اس کے پاس کوئی ثبوت تو نہ تھا، تم انکار کر سکتی تھیں۔"

اندرا: "میں نے انکار کیا۔ لیکن وہ گنگا جل اٹھا لایا۔"

آزاد: "پھر تم نے کیا کیا؟"

اندرا: "انھوں نے پوچھا۔ کیا تم آزاد سے اب بھی محبت کرتی ہو؟ میں انکار نہ کر سکی۔"

آزاد: (سر پکڑ کر) "یا اللہ کیسے کیسے نیک اور سچے لوگوں سے تو نے میرا واسطہ ڈالا ہے۔"

اندرا: "پھر انھوں نے مجھے گالیاں دیں، مار کر گھر سے نکال دیا، اور طلاق دیدی، پتاجی اس غم میں زندہ نہ رہ سکے، ان کا ہارٹ فیل ہو گیا۔ بار بار ان کی زبان پر آپ کا نام آتا تھا، بڑی مشکل سے اپنا کانپتا ہوا ہاتھ دل تک لیجاتے تھے اور مسوس کر رہ جاتے تھے، ان کی تصویر آج تک آنکھوں کے سامنے پھر رہی ہے، بھیا جو پتاجی کی زندگی میں خاموش تھے ان کے مرنے کے بعد شیر ببر بن گئے، کھڑے کھڑے گھر سے نکال دیا۔ آہ! اب اس دنیا میں میرا کوئی نہیں، اگر رالبعہ نہ ہوتی تو شاید سمندر کی لہریں مجھے ہمیشہ ہمیشہ کیلئے پناہ دے چکی ہوتیں۔"

آزاد: "تم رالبعہ کے ہاں ٹھہری ہو؟"

اندرا: "آئی تو سیدھی آپ کے پاس تھی، لیکن رالبعہ یہاں مل گئی۔ بڑی دیر تک ہم دونوں نے آپ کا انتظار کیا۔ پھر وہ مجھے اپنے ساتھ لے گئی۔"

—— "ہاں کوئی عورت اور بھی آپ کی تلاش میں آئی تھی۔ مجھے تو اسے دیکھکر بڑا ڈر لگا ایسی بھیانک عورت میں نے آج تک نہیں دیکھی۔ ایک پارسی بھی بڑی دیر تک ——"

آزاد: "چھوڑو ان باتوں کو، یہ بتاؤ رالبعہ تمہیں اپنے ساتھ کیوں لے گئی؟ اور تم چلی کیوں گئیں اس کے ساتھ؟"

اندرا: "تو کون سا غضب ہو گیا۔ کیا وہ میری سہیلی نہیں؟ سچ کہتی ہوں۔ میں نے اس کی قدر تو اب جانی، ایسی محبت اور ہمدردی کے ساتھ پیش آئی کہ میں بیان نہیں کر سکتی، وہ مجھے آنے کب دے رہی تھی۔"

آزاد: "وہ تو میں سمجھتا تھا۔ ضرور اس الو کی پٹھی نے میرے متعلق غلط سلط باتیں کہہ کر تمہیں مجھ سے بدظن کرنے کی کوشش کی ہوگی۔ اچھا بھائی میں برا سہی، بدمعاش سہی، آوارہ سہی، لچا سہی، دنیا کی ہر برائی میرے اندر موجود ہے۔ ؎

جس کو ہو جان و دل عزیز میری گلی میں آئے کیوں؟

مان لیا ہوتا۔ تم نے اس کا کہنا۔ اس کے منع کرنے کے باوجود کیوں آگئیں میرے پاس؟"

اندرا: "یہ آپ کیسی باتیں کر رہے ہیں؟ اس نے تو آپ کے خلاف ایک لفظ بھی نہیں کہا، پہلے بیشک آپ کی برائیاں کر کے وہ مجھے چھیڑا کرتی تھی، میں چڑ بھی جاتی تھی، لڑ بھی پڑتی تھی، خفا بھی ہو جاتی تھی۔ لیکن اس مرتبہ تو اس نے ایک بات بھی ایسی نہیں کی، جسے آپکے خلاف

کہا جا سکے۔ نہ جانے آپ کیوں بدظن ہیں اس سے۔"

آزاد: "پھر وہ تمہیں میرے پاس آنے سے روک کیوں رہی تھی؟"

اندرا: "(شرماکر) پگلی ہے۔"

آزاد: "یہ تو کوئی بات نہیں۔ بتاؤ کیا بات تھی؟"

اندرا: "اپنی ساڑھیوں میں سے ایک نہایت عمدہ سی ساڑھی نکال لائی اور کہنے لگی۔ نہا دھو کر اسے پہن لو، میں تمہاری کنگھی چوٹی کردوں۔ پھر جاؤ آزاد صاحب کے پاس، ان میلے کپڑوں میں مت جاؤ ان سے۔ میں نے انکار کیا، وہ اصرار کرنے لگی۔ آخر کسی طرح دھوکا دے کر اسے میں یہاں چلی آئی۔ بات یہ تھی۔ اور آپ نہ جانے کیا سمجھ بیٹھے؟ اتنی بدگمانی اچھی نہیں ہوتی۔

آزاد: "میں تم سے زیادہ جانتا ہوں۔ وہ کیا ہے؟"

اندرا: -خیر! وہ اچھی ہو یا بری، آپ کو کیا، آپ تو یہ بتائیے میرے بارے میں آپ کا کیا فیصلہ ہے؟"

آزاد: "تم کیا چاہتی ہو؟"

اندرا: "یہ سوال تو آپ اس طرح کر رہے ہیں، جیسے میں بھکارن بن کر آپ کے دروازے پر آئی ہوں۔"

آزاد: "تم تو خفا ہو گئیں؟"

اندرا: -آپ کو خود معلوم ہونا چاہئے میں کیا چاہتی ہوں؟ جو کچھ میں چاہتی ہوں، مجھ سے زیادہ وہی آپ کی بھی تمنا ہونی چاہئے۔ اس طرح

کے سوالات کر کے آپ مجھے میری نظروں میں ذلیل کرنا چاہتے ہیں۔"

آزاد: "استغفر اللہ! بھلا میں ایسا کر سکتا ہوں، کیا تم اتنی ظالم ہو سکتی ہو کہ میرے بارے میں ایسی غلط رائے قائم کرو؟"

اندرا: "تو پھر آپ بتائیے اب کیا ہونا چاہئے؟"

آزاد: "میری سمجھ میں تو صرف ایک ہی بات آتی ہے کہ تم اب میرے پاس رہو۔"

اندرا: "لیکن کس طرح؟ کس حیثیت سے؟"

آزاد: "دوست کی حیثیت سے، کیا اس سے بڑی بھی کوئی حیثیت ہو سکتی ہے؟"

اندرا: "نہیں! یہ دوست کی نہیں، داشتہ کی حیثیت ہے، اور میں اس حیثیت کو ہرگز نہیں قبول کر سکتی۔"

آزاد: "اری یہ بات نہیں اور سچ پوچھو تو مجھے شادی کر لینے میں بھی کوئی عذر نہیں، لیکن اس طرح یہ معاملہ ذرا دوسرا رنگ اختیار کرے گا، یعنی فرقہ وارانہ، اور میں ان باتوں سے گھبراتا ہوں۔"

اندرا: "یہ تو خواہ مخواہ کی باتیں ہیں، سیدھی سادی بات یہ ہے کہ میں ایک عورت ہوں، آپ ایک مرد ہیں، ہم دونوں نے ایک دوسرے کو چاہا، لیکن سماج نے ہمیں ایک دوسرے سے دور رہنے پر مجبور کیا۔ اب سماج ہمارے راستے سے ہٹ چکی ہے، میرا شوہر مجھے طلاق دے چکا [illegible]

کا قانون ہمیں ایک دوسرے سے جدا رہنے پر مجبور نہیں کر سکتا۔"

آزاد :۔ "یہ تو ٹھیک ہے لیکن میرا مطلب فرقے وارانہ بد مزگی سے ہے۔"

اندرا :۔ "یہ کوئی بات نہیں۔ اگر آپ کٹر مسلمان ہیں تو میں مسلمان ہونے کو تیار ہوں۔ اور اگر میری طرح مذہب کو کوئی اہمیت نہیں دیتے تو سول میرج کا دروازہ کھلا ہوا ہے، بتائیے ان دونوں میں سے کونسی صورت پسند ہے؟"

آزاد :۔ "فی الحال کوئی بھی نہیں۔"

اندرا :۔ "یعنی اب تک میں آپ کے بارے میں جو کچھ سمجھتی رہی، وہ سب غلط ہے؟ رابعہ مذاق میں جو کچھ کہتی تھی وہ سب سچ تھا؟ کیا واقعی آپ مجھے چھوڑ دیں گے؟ آپ کیوجہ سے میں ٹھکرائی گئی، اور آپ کا دروازہ بھی مجھے بند ملے گا؟"

آزاد :۔ "تم نے جذباتی باتیں شروع کر دیں، ہر شخص کے اپنے مصالح ہوتے ہیں، اپنی مجبوریاں ہوتی ہیں، انہیں نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔"

اندرا :۔ "آپ ٹھیک کہتے ہیں، میں آپ کو مجبور نہیں کر سکتی، میں نے جو کچھ کہا، اس کی ذمہ داری میرے ہی اوپر ہے، اس کے نتائج بھگتنے کے لئے بھی مجھے تیار رہنا چاہئے۔"

آزاد :۔ "دیکھو اندرا جذباتی سے کام نہ لو، میری سمجھ میں نہیں آتا تم عورتوں کو آخر شادی سے اتنا عشق کیوں ہے؟ مرد اور عورت کے

تعلقات پر شادی ذرا بھی اثر انداز نہیں ہو سکتی۔ شادی کے بعد بھی تعلقات تلخ ہو سکتے ہیں۔ اور شادی کے بغیر بھی تعلقات خوشگوار رکھے جا سکتے ہیں تم تعلقات کے بجائے شادی پر کیوں زور دیتی ہو؟ مغز کو نکالکر پھینکتی ہو۔ اور چھلکا لینے پر اصرار کرتی ہو۔ آج تمہیں بتاتا ہوں، اور اس شہر میں یہ راز میرے سوا کسی کو نہیں معلوم کہ آج سے دس برس پہلے میری شادی ہوئی تھی، میری بیوی زندہ ہے، لیکن میں نے آج تک اس کی صورت نہیں دیکھی بتاؤ۔ اس شادی نے میری بدقسمت بیوی کو کیا فائدہ پہنچایا؟ تم سمجھتی ہو آج تک میری شادی نہیں ہوئی، لیکن ہم میں وہی تعلقات ہیں جو دو شدید محبت کرنیوالوں کے درمیان ہونے چاہئیں، تم اس حقیقت کو کیوں نظر انداز کر دیتی ہو؟

اندرا :۔ "میں آپ سے بحث کرنا نہیں چاہتی، اس لئے کہ جیت نہیں سکتی۔ لیکن پوچھتی ہوں اگر شادی اتنی ہی بری ہے تو دنیا کیوں کرتی ہے؟"

آزاد :۔ "اس کا جواب دنیا سے لو۔ میں نہ اس کا نمائندہ ہوں نہ نقیب میں صرف اپنے بارے میں جواب دے سکتا ہوں، اور میرے نزدیک شادی ایک بے معنی سی بات ہے۔" اندرا نے ابھی کوئی جواب نہیں دیا تھا کہ کمرے میں ایک دلکش اور شیریں آواز گونجی :۔

"کیا میں آ سکتی ہوں؟"

اندرا اور آزاد نے نظر اٹھا کر دیکھا تو دروازے میں رابعہ کھڑی مسکرا رہی تھی۔

رابعہ کو دیکھ کر آزاد کا خون کھول گیا۔ غصے کے باعث اس کا چہرہ تمتما اٹھا۔ لیکن وہ رابعہ سے بد اخلاقی کا برتاؤ نہ کرنے پر مجبور تھا، اس لیے کہ وہ اس سے ڈرتا بھی تھا، خلاف عادت اور خلافِ مزاج اس نے اپنے جذبات کا گلا گھونٹا۔ اور مسکراتے ہوئے کہا:

"ضرور آئیے۔ آپ ہی کی تو کمی تھی۔"

چودھواں باب (۱۴)

سہ پہر کا وقت تھا۔ مکان کے خانہ باغ میں محمود اور شاہین آمنے سامنے کرسیوں پر بیٹھے تھے، بیچ میں ایک چھوٹی سی میز رکھی تھی، شاہین چائے بنا رہی تھی، اور محمود سگریٹ کا دھواں اڑا رہا تھا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا۔ اس وقت وہ کسی سوچ میں ہے، اور شاہین نہ جانے کیوں ضرورت سے زیادہ اسے مسرور نظر آ رہی تھی، اس نے چائے بنائی اور تبسم زیرِ لب کے ساتھ محمود کی طرف بڑھا دی، لیکن محمود بدستور دھواں اڑاتا اور خلد کی طرف گھورتا رہا، آخر شاہین ضبط نہ کر سکی۔ اس نے کہا۔

"چائے ٹھنڈی ہو جائے گی پہلے پی لیجئے۔ پھر سوچیے گا۔"

محمود چونک پڑا۔ اس نے پیالی ہاتھ میں لے کر ایک بڑا سا گھونٹ پیا اور کہا۔

"بڑے مزے کی ہے، لطف آگیا!"

شاہین: "شکریہ! لیکن داد حاصل کرنے کی بجائے میں یہ معلوم کرنا چاہتی ہوں کہ اس وقت آپ تشریف کہاں رکھتے تھے؟"

محمود: "کیا بتاؤں ؎

ہم وہاں ہیں جہاں سے ہم کو بھی
کچھ ہماری خبر نہیں آتی!

شاہین: ؎

ہستی کے مت فریب میں آجائیو اسدؔ
عالم تمام حلقۂ دام خیال ہے!"

محمود: "یہ کیا؟ اس شعر کا کیا موقع تھا یہ؟"

شاہین: "تو کیا ہم کسی سے کم ہیں؟ آپ نے غالبؔ کا شعر پڑھا، ہم نے بھی غالبؔ کا سنا دیا۔ ذوقؔ کا پڑھتے ذوقؔ کا سن لیتے۔"

محمود: "تمہیں شوخیاں سوجھ رہی ہیں اور میں بہت پریشان ہوں۔"

شاہین: "وہی تو پوچھ رہی ہوں کیوں؟ کچھ بتایئے شاید میں آپ کی مدد کر سکوں؟"

محمود: "کچھ ذاتی اور خانگی معاملات ہیں، تم کیا مدد کر سکو گی؟"

شاہین: "مجھے اصرار تو نہ کرنا چاہئے، لیکن آپ ہم لوگوں میں اتنا گھل مل گئے ہیں، اتنی اپنایت برتتے ہیں، اسی طرح ہمارے دکھ سکھ میں شریک ہیں کہ میں تو آپ کو غیر نہیں سمجھتی، آپ کو پریشان دیکھتی ہوں تو خود بخود

بیٹھنے سا لگتا ہے۔ آپ کے چہرے پر تبسم کی جھلک دیکھتی ہوں۔ تو دل کھل کھلا اٹھتا ہے لیکن آپ ہیں کہ ہمیں بالکل غیر اور اجنبی خیال کرتے ہیں۔"

محمود: "شاہین ایسی باتیں کیوں کرتی ہو؟ میں اپنی زبان بند رکھنا چاہتا ہوں اور تم کھلوانا چاہتی ہو۔"

شاہین: "آپ نے جو کچھ کہا۔ یہ ایک معمہ سے کم نہیں۔"

محمود: "تمہیں معلوم ہونا چاہئے، میرے دل پر، میرے خیالات پر، میرے ارادوں پر اگر حکومت ہے۔ تو صرف ایک ہستی کی اور وہ ہے "شاہین"۔"

یہ سن کر شاہین کا چہرہ شرم و غیرت کے باعث دفعتاً سرخ ہو گیا اس کے کان کی لویں تمتمانے لگیں، اس کی آنکھیں خود بخود جھک گئیں اور دوپٹے کے دامن سے الجھنے لگی، محمود نے کہا۔

"دیکھو۔ میں نہ کہتا تھا کہ مجھے خاموش رہنے دو میری زبان نہ کھلواؤ۔ لیکن تم اپنے آگے کس کی سنتی ہو۔ اس وقت تمہارے اکسانے سے جو الفاظ میرے منہ سے نکلے، میں نہیں جانتا وہ اچھے تھے یا برے؟ ایسے الفاظ میری زبان تک آنے چاہئیں تھے یا نہیں؟ میرے اندر اتنی ہمت بھی نہیں کہ ان الفاظ کے بارے میں تمہارا ردعمل معلوم کر سکوں۔ میں جاننا چاہتا ہوں لیکن نہیں جان سکتا کہ ان کا تم پر کیا اثر پڑا؟ یہ بے ساختہ الفاظ سن کر تم مجھ سے نفرت کرنے لگیں، یا تمہیں مجھ سے ہمدردی پیدا ہو گئی؟ بولو! جواب دو۔"

شاہین: "(آنکھیں نیچے کئے ہوئے لیکن خفیف تبسم کے ساتھ)

"ابھی تو آپ کہہ رہے تھے کہ پوچھنے کی ہمت نہیں اور ابھی حکم دینے لگے۔ بولو! جواب دو۔ ہم نہیں جانتے کچھ، ــــ"

محمود خاموش ہو گیا۔ پھر اس کے سگریٹ کا دھواں آسمان پر لپکنے لگا۔ اور وہ خلا میں گھورنے لگا۔ اس نے آہستہ آہستہ کہا۔

"میں نے غلطی کی، میں اپنی غلطی پر نادم ہوں"

شاہین: "آپ نے کوئی غلطی نہیں کی، آپ بڑے اچھے آدمی ہیں آپ کا دشمن بھی آپ سے نفرت نہیں کر سکتا۔ اگر فرشتہ آدمی سے اونچا ہوتا تو میں آپ کو فرشتہ کہتی!"

یہ الفاظ سن کر محمود کے چہرے کا رنگ یک بیک متغیر ہو گیا۔ شاہین کے ان الفاظ میں کتنی ہمدردی تھی، کتنی اپنائیت تھی ــــ بلکہ شاید محبت بھی۔ اس نے شاہین کے بھولے اور معصوم چہرے پر ایک دزدیدہ سی نگاہ ڈالی اور کہا۔

تمہارے یہ الفاظ میرے لئے کتنے قیمتی ہیں اس کا اندازہ میں خود بھی نہیں کر سکتا"

شاہین: "میں آپ سے اندازہ کرنے کو کہہ بھی نہیں رہی، بتائیے آج آپ کیوں پریشان نظر آ رہے ہیں، جب تک بتائیں گے نہیں، میں آپ کو اٹھنے نہیں دوں گی"

محمود: "ایک کھٹک تھی جو رفع ہو گئی۔ اب تو میں ذرا بھی پریشان نہیں خوش ہوں، اور بہت زیادہ خوش، شاید اس خوشی میں دنیا کا کوئی شخص

میرا حریف بننے کی جرأت نہیں کر سکتا ــــ"

شاہین پھر شرما گئی۔ وہ پھر اپنے دوپٹے کے دامن سے کھیلنے لگی

محمود نے پیار بھری نظروں سے اسے دیکھا اور کہا۔

"جمیل کا کیا حال ہے۔ بظاہر تو اب حالت کچھ سکون پذیر نظر آتی ہے؟"

شاہین: "کسی پہلو میں قرار نہیں۔ وہ جب تک عالیہ کے شہزادے کو قتل نہیں کر لیں گے قرار نہیں آئے گا۔ رات بڑی دیر تک یہی پروگرام بناتے رہے، صبح سے کہیں گئے ہیں، اب تک نہیں آئے"

محمود: "سخت عاجز کر دیا ہے اس شخص نے"

شاہین: "میں تو عاجز آ گئی ہوں، سمجھاتے سمجھاتے"

محمود: "یہی میرا حال ہے، کاش کسی طرح عالیہ زندہ ہو سکتی"

شاہین: (کچھ سوچتے ہوئے) عالیہ زندہ ہو سکتی ــــ"

محمود: "ہاں تو یہ دیوانہ فرزانہ بن جاتا"

شاہین: "تو میں آپ کو خوش خبری دیتی ہوں۔ کہ عالیہ زندہ ہے"

محمود: (شاہین کی طرف حیرت سے دیکھتے ہوئے) کچھ تمہارا دماغ تو درست ہے کہیں مردے بھی زندہ ہوئے ہیں؟"

شاہین: "میں آپ سے غلط نہیں کہتی۔ عالیہ زندہ ہے۔ وہ زندہ ہو سکتی ہے۔!"

محمود: "اگر یہ الفاظ پھر تمہاری زبان سے نکلا تو میں کپڑے پھاڑ لوں گا"

دیوانہ بن جاؤں گا۔ کیا جمیل کے بعد اب تمہاری باری ہے پاگل ہونے کی۔

عالیہ کی ہڈیاں بھی خاک ہو چکیں اور تم کہتی ہو کہ زندہ ہے ؟"

شاہین :۔" (مسکراتے ہوئے) آپ خواہ مخواہ اُلجھ رہے ہیں ، میں جھوٹ نہیں کہتی ۔"

محمود :۔" اگر سچ یہی ہے ، تو ـــ سچ کا نام کچھ اور رکھنا پڑے گا ۔"

شاہین :۔" سنئے تو ـــ ہمارے کالج میں مس رضوی نفسیات کی لیکچرار ہو کر آئی ہیں ، خدا جانتا ہے ، بالکل عالیہ کی صورت ہیں ۔ عالیہ کی ماں بھی اگر ایک مرتبہ انہیں دیکھ لے تو کم از کم تھوڑی دیر کیلئے غلط فہمی میں مبتلا ہو جائے گی کہ عالیہ زندہ ہے ، وہی بوٹا سا قد ، وہی میرن کی سی بڑی بڑی آنکھیں ، وہی چمپئی رنگ ، وہی بڑی بڑی زلفیں وہی دل میں کھُب جانے والی مسکراہٹ ، وہی دل پر قبضہ کر لینے والی آواز سچ کہتی ہوں کہ جب میں نے پہلے پہل دیکھا تو بے ساختہ جی چاہا کہ دوڑ کر لپٹ جاؤں اور پوچھوں ، عالیہ تم تو مر گئی تھیں ، پھر ہمارے کالج میں پروفیسر بن کر کیسے آ گئیں ۔"

محمود :۔ (کچھ سوچتے ہوئے) سچ کہتی ہو شاہین ؟"

شاہین :۔" بھلا جھوٹ بولنے کی مجھے کیا ضرورت ہے ؟"

محمود :۔" تو پھر جمیل کا مسئلہ حل ہو گیا ، وہ اب آدمی بن جائے گا ۔"

شاہین :۔" یہ خیال میرے دل میں بھی کئی مرتبہ آ چکا ہے ، لیکن اس راستہ میں کچھ مشکلات بھی ہیں ۔"

محمود :۔" مشکلات پر قابو حاصل کر لیا جائے گا ، انکی پرواہ نہ کرو ۔ بھلا

کام یہ کرو کہ مس رضوی کو یہاں تک لاؤ ۔"

شاہین :۔" پہلی مشکل تو یہی ہے ۔ وہ کیوں آنے لگیں ہمارے گھر ؟"

محمود :۔" ان سے راہ و رسم پیدا کرو ضرور آئیں گی ۔"

شاہین :۔" بڑی ملنسار ہیں ، چند ہی روز میں مجھ سے تو بہت زیادہ مانوس ہو گئیں ۔ امید تو ہے میرا بلاوا رد نہیں کریں گی ۔"

محمود :۔" بس تو پھر اور کیا چاہئے ؟"

شاہین :۔" لیکن اگر بھیا نہ ملے اُن سے تو بُلانے سے کیا حاصل ؟"

محمود :۔" کیوں نہیں ملیں گے ؟ یہ میرا ذمہ رہا ۔"

شاہین :۔" اور اگر بھیا نے کوئی ایسی ویسی بات ان کی موجودگی میں کہہ دی تو میں منہ کیا دکھاؤں گی ؟"

محمود :۔" کیا تم جمیل کو غنڈہ سمجھتی ہو ۔ ایسی ویسی بات کیا کہے گا ؟ اسے بھی مجھ پر چھوڑ دو ۔ تم مس رضوی کو لاؤ ۔"

شاہین :۔" (مسکراتے ہوئے) اور اگر انہیں دیکھ کر آپ نے شاعری شروع کر دی تو !"

محمود نے ایک زور کا قہقہہ لگایا اور کہا ۔

عورت بہر حال عورت ہوتی ہے ، بدگمانی اس کی سرشت ہے کوئی گردن کاٹ کر رکھ دے تو بھی اس کی بدگمانی نہیں جاتی ـــ شاہین مسکرانے لگی ۔ محمود نے کہا ۔ سچ کہتا ہوں شاہین اگر جمیل کو مس رضوی میں عالیہ کی جھلک نظر آ گئی تو وہ آدمی بن جائے گا ۔"

شاہین: "بشرطیکہ مس رضوی بھی بھتیا کو صحیح طور پر سمجھ لیں"
محمود: "یہ سب مرحلے بعد میں طے ہوتے رہیں گے، پہلا مرحلہ تو ملاقات ہے۔
"اس کا انتظام کرو!"

پندرھواں باب (۱۵)

محمود کا خیال صحیح ثابت ہوا، مس رضوی پیامِ بہار بن کر آئیں، ان کے آتے ہی رت بدل گئی، جمیل کی اور ان کی اس طرح ملاقات ہوئی جیسے دونوں ایک دوسرے کی تلاش ہی میں تھے دونوں بیٹھے اور باتیں کرنے لگے، گفتگو میں کبھی کبھی محمود بھی شریک ہو جاتا تھا اور شاہین بھی، لیکن اصل مخاطب ایک دوسرے کے جمیل اور مس رضوی ہی تھے، جمیل نے مس رضوی کے پیکر میں عالیہ کا جلوہ دیکھا، اسے ایسا محسوس کیا، جیسے واقعی عالیہ زندہ ہو کر آ گئی ہو، اس کا جی چاہا وہ اسے عالیہ کہہ کر مخاطب کرے، اپنی داستانِ فراق سنائے اور اس کا قصۂ ہجر سنے، لیکن نہ اپنی کہہ سکا، نہ اس سے کچھ پوچھ سکا۔ وارفتگی حیرانی، اور سراسیمگی کے عالم میں ٹکٹکی باندھ کر دیکھنے لگا، بظاہر یہ حرکت تہذیب اور شائستگی کے خلاف تھی۔ اور مس رضوی کے لئے

توکافی استقلال انگیز بھی تھی۔ اس لئے کہ وہ اپنی ناک پر مکھی بھی نہ بیٹھنے دیتی تھی لیکن ہونے والی بات جمیل کی اس بے ساختگی اور از خود رفتگی کو دیکھ کر بے اختیار ان کے نازک ہونٹوں پر تبسم کھیلنے لگا، اس بے خود اور مدہوش نوجوان کی اس حرکت میں مس رضوی کو کچھ ایسی معصومیت اور دل آویزی نظر آئی کہ وہ دوسروں کو چھوڑ کر زیادہ تر اسی کی طرف متوجہ رہیں۔

مس رضوی نے جمیل پر سرتاپا ایک نظر ڈالی اور ذرا شوخ لہجہ میں کہا۔

مس رضوی: "کیا آپ کو شعر و شاعری سے دلچسپی ہے؟ میرے خیال میں
تو آپ شاعر ہیں!"

جمیل ہنس پڑا۔

"خود ہی آپ نے ایک سوال کیا، اور خود ہی اس کا جواب بھی دیدیا۔ سچ پوچھئے تو مجھے شعر و شاعری سے کوئی دلچسپی نہیں، اور شعر کہنا تو بڑی چیز ہے، موزوں شعر پڑھنا بھی میرے بس کا روگ نہیں!"

مس رضوی کو ہنسی آگئی۔

"بڑے صاف گو ہیں آپ، ـــــ لیکن اگر یہی بات ہے تو آپ شاعر معلوم کیوں ہوتے ہیں؟"

جمیل: "دوسروں کو میں کیا نظر آتا ہوں؟ یہ وہ جانیں، خود میں کیا ہوں یہ میں جانتا ہوں"

مس رضوی: - "یہ تو بڑی اچھی گفتگو چھڑ گئی۔ انسان خود اپنی نظر میں کیا ہے؟ یہ بڑا دلچسپ موضوع ہے کم از کم میں اس سے بڑی دلچسپی لیتی ہوں، بتائیے، آپ کی اپنے بارے میں کیا رائے ہے؟"

جمیل: - "بچہ ڈیر یا مجھ کو ہونے نہ ہوتا میں تو کیا ہوتا؟"

"میں اب تک نہیں سمجھ سکا، دنیا کو میری کیا ضرورت تھی؟ اس دنیا کی ہر چیز میرے لئے بے رنگ ہے، نہ اس کی بہار میرے کام کی ہے نہ خزاں، نہ اس کی مسرت میں میرا حصہ ہے، نہ غم میں، نہ اس کی تعمیر میری رہین منت ہے، نہ تخریب، نہ اس کی زندگی سے میری دوستی ہے، نہ موت سے، نہ اس کے طوفانوں سے میرا کوئی واسطہ ہے نہ کشت آرزو سے، میں اس کی کسی چیز میں نہیں کھپ سکتا، نہ اس کی کوئی چیز میرے کام آسکتی ہے۔ اپنی زندگی کو میں صرف قدرت کی ستم ظریفی سمجھتا ہوں۔"!

مس رضوی پر ایک سکوت سا طاری تھا۔ وہ محویت اور استغراق کے عالم میں جمیل کی باتیں سن رہی تھیں، شاہین دعوت کے اہتمام میں لگی ہوئی تھی کبھی یہاں، کبھی وہاں، ذرا دیر ادھر، کچھ دیر اُدھر، محمود نے جمیل اور مس رضوی کو جو باہم مصروف تکلم دیکھا تو تھوڑی دیر باتصویر رسالوں کے ورق الٹتا پلٹتا رہا۔ پھر بچوں میں جا کر بچہ بن گیا، اسے یاد بھی نہیں رہا مس رضوی اور جمیل کس فلسفہ پر گفتگو کر رہے ہیں؟ جمیل کی گفتگو مسلسل تھی اور اس کے لب و لہجہ سے سوزِ غم کی تراوش آرہی تھی، ان باتوں نے مس رضوی کے دل پر بڑا اثر کیا، انھوں نے ہمدردی اور التفات کی نظروں

سے اسے دیکھا ، اور اپنائیت کے لہجہ میں کہا۔

آپ کی باتوں میں یاس اور نا امیدی جھلک رہی ہے ایسا معلوم ہوتا ہے آپ نے کوئی چوٹ کھائی ہے ، لیکن آپ مرد ہیں ، آپ کو حوصلہ قائم رکھنا چاہئیے ، جس طرح رات کی تاریکی کے بعد صبح کا سورج جگمگاتا ہے ، جس طرح خزاں کے بعد بہار کا دور دورہ ہوتا ہے ، جس طرح بیماری کے بعد صحت و توانائی واپس آتی ہے ، اسی طرح کوئی غم بھی مستقل نہیں ہوتا کوئی ناکامی بھی دیرپا نہیں ہوتی ——— چناں نہ ماند ، چنیں ہم چناں نہ خواہد ماند !"

جمیل :- " مس رضوی میں آپ کا شکر گذار ہوں کہ آپ نے ہمدردی اور دل سوزی کے لہجہ میں ، حوصلہ پیدا کرنے کی کوشش کی ۔"

مس رضوی :- (مسکرا کر) لیکن بدستور اپنی وضع پر قائم بھی ہیں ؟"

جمیل :- " بات یہ ہے کہ ۔۔

کیا شمع کے نہیں ہیں ہوا خواہ بزم میں
ہو غم ہی جانگداز تو غم خوار کیا کریں ؟

مس رضوی :- " پھر وہی یاس و نومیدی کی باتیں ، ——— آخر آپ کو غم کیا ہے ؟ فکر کیا ہے ؟؟ آپ چاہتے کیا ہیں ؟؟؟ وہ کونسی بات ہے جس نے آپکو اس درجہ آشفتہ خاطر بنا رکھا ہے ؟؟؟؟

جمیل :- " آپ کو تو شاید یہ حسن آج یہاں کھینچ لایا ہے کہ کچھ دیر اٹھیں بیٹھیں ، مسرت اور نشاط کی فضا میں گھل مل کر باتیں کریں ، لیکن عجب بے پرواہ

لڑکی ہے ، نہ جانے کہاں جا کر بیٹھ گئی !"

مس رضوی :- " یہ میرے سوال کا جواب ہے ؟"

جمیل :- " میرا مطلب یہ ہے کہ یہ اچھا نہیں معلوم ہوتا کہ آپ کو بدمزہ کرنے والی داستان لے کر بیٹھ جاؤں ۔"

مس رضوی :- " مجھے تو اچھا لگتا ہے ۔"

جمیل :- (آہ سرد بھر کر) لیکن میری داستان ہی کیا ہے ! ۔۔
ہو گئے خاک انتہا یہ ہے !

مس رضوی :- " ایسا نہ کہئیے ، میں پھر یہ کہوں گی ، آپ کو اپنا حوصلہ قائم رکھنا چاہئیے ۔"

جمیل :- (جوش کے عالم میں) بہت خوب مشورہ ہے آپ کا ، لیکن ہر مشورہ قابل عمل نہیں ہوتا ، خزاں رسیدہ پھول ، ترو تازہ نہیں ہو سکتا ، بنجر زمین گل و لالہ کی تخلیق نہیں کر سکتی ، آگ برف کی خاصیت سے محروم ہوتی ہے برف سے چولھا نہیں سلگایا جا سکتا ، جو مر رہا ہو وہ زندہ نہیں رہ سکتا۔ جو رو رہا ہو وہ مسکرا نہیں سکتا ——— (سکون کے عالم میں آہستہ آہستہ) لیکن مس رضوی معاف کرنا ، میں شاید اس وقت آپے میں نہیں رہا تھا۔ نہ جانے کیا کیا بک گیا ، اس لئے میں لوگوں سے ملتے ہوئے جھجکتا ہوں ، نہ جانے کیا شامت آئی تھی کہ آپ کے سامنے آ گیا ، نہ جانے آپ میں ایسی کیا کشش تھی کہ بے ساختہ ، آپ کے پاس بیٹھ گیا ، آپ سے باتیں کرنے لگا ، میری آپ کی آج پہلی [illegible]

جیسے ہم دونوں ایک دوسرے کو بہت دنوں سے جانتے ہیں، ایک دوسرے سے بڑی مدت سے واقف ہیں، ایک دوسرے کے مزاج کو پہچانتے ہیں ایک دوسرے سے بے تکلف باتیں کر سکتے ہیں، اسی خیال میں جو کچھ منھ میں آیا بکتا چلا گیا۔ معاف کر دیجئے مس رضوی، یہ میری پہلی اور آخری غلطی ہے۔"

مس رضوی :- (تبسم کے ساتھ) "آپ کو اس شرط پر معاف کیا جا سکتا ہے کہ یہ غلطی آپ سے بار بار سرزد نہ ہو۔"

جمیل نے کوئی جواب نہیں دیا، وہ حیرت کے ساتھ مس رضوی کو دیکھنے لگا۔ مس رضوی نے کہا۔

"آپ نے سچ فرمایا، واقعی آپ سے مل کر کسی قسم کی جھجک اور اجنبیت میں نے بھی محسوس نہیں کی، آپ کی باتیں سن کر آپ سے ہمدردی پیدا ہو گئی ہے کہ میں اس قابل ہوتی کہ آپ کی مدد کر سکتی۔"

جمیل :- "اس سے بڑھ کر آپ کی مدد کیا ہو سکتی ہے کہ آپ نے التفات اور اپنایت کیساتھ باتیں کیں، سچ کہتا ہوں، بہت دنوں کے بعد آج پہلی مرتبہ اپنے دل کا بوجھ کچھ کم ہوتا محسوس کر رہا ہوں، نہ جانے کیوں؟"

مس رضوی :- "خلوص میں بڑی طاقت ہوتی ہے، میرا خیال ہے اگر ہم ایک دوسرے سے ملتے رہے تو آپ کی اس آشفتہ خاطری کا میں علاج کر لوں گی، ویسے بھی مجھے نفسیات سے دلچسپی ہے اور آپ سے شناسائی کے باعث اور زیادہ تر آپ کے بے ساختہ انداز زندگی کے سبب مجھے واقعی ایک طرح کا اُنس پیدا ہو گیا ہے۔"

جمیل :- "سر سے لئے اس سے بڑھ کر خوشی کی بات کیا ہو سکتی ہے کہ آپ یہاں کبھی کبھی تشریف لایا کریں۔"

مس رضوی :- "کیوں؟ صرف میں ہی کیوں آؤں؟ آپ کیوں نہ آئیں۔ غریب خانہ پر ——— ؟"

جمیل :- "کیا آپ اسے گوارا کریں گی؟"

مس رضوی :- "نہ گوارا کرنے کی کیا وجہ ہے؟"

جمیل :- "تو میں ضرور آؤں گا، اور بہت خوشی سے آؤں گا۔"

مس رضوی :- "شکریہ ——" (گھڑی دیکھ کر) "یہ شاہین کہاں بیٹھ رہی جا کر؟ بڑی دیر ہو گئی۔ اب مجھے جانا چاہئے ——"

قبل اس کے کہ جمیل جواب دے شاہین آ گئی، مس رضوی نے اسکی طرف مسکراتے ہوئے دیکھا اور کہا۔

"تم کہاں بیٹھ رہی تھیں جا کر؟ یہ اچھی رہی ——

طاقت جہاں نداشت خانہ بجہاں گذاشت

میں اب جاتی ہوں۔"

شاہین :- "واہ! ابھی آپ کیسے جا سکتی ہیں؟ چائے پی کر جائینگی آپ۔"

مس رضوی :- "تو جلدی سے ایک پیالی لے آؤ۔ مجھے خاصی دیر ہو گئی ہے۔"

شاہین :- "ابھی لے۔"

اتنے میں چائے کا سامان ملازم نے آ کر میز پر لگا دیا، محمود صاحب

پہنچی، اور عین اسی وقت جب "بادشاہ کی لڑکی" گھر سے نکالی جا رہی تھی۔
اس نے کہا۔
"سبحان اللہ، آپ یہاں کیا کر رہے ہیں؟ میں تو آپ کو مس رضوی کے پاس چھوڑ کر گئی تھی"
محمود: "لیکن میرا وہاں جی نہیں لگا، دونوں میں سے ایک فلسفی ہے ایک پاگل، اور مجھے نہ فلسفے سے دلچسپی ہے نہ جنون سے"
شاہین: "لیکن اخلاق بھی تو کوئی چیز ہے؟"
محمود: "بہت بڑی چیز ہے، لیکن اسے اس قسم کے برخود غلط لوگوں پر رائیگاں نہیں کیا جا سکتا"
شاہین: "وہاں چائے لگ چکی ہے، صرف آپ کا انتظار ہو رہا ہے"
محمود: "یہ بات ہے تو چلو! شاہین مسکرانے لگی۔
خدا کے لئے ایسی باتیں نہ کیا کیجئے جس سے لوگ آپ کے بارے میں غلط رائے قائم کر سکیں"
محمود نے چلتے چلتے کہا
میں ہرگز نہیں چاہتا کہ لوگ میرے بارے میں کوئی رائے قائم کریں۔
البتہ یہ ضرور چاہتا ہوں کہ کہیں میرے بارے میں کبھی کوئی غلط فہمی نہ ہو۔
لوگوں کو حق کیا ہے میرے متعلق رائے قائم کرنے کا؟
شاہین: "اچھا سچ کہئے گا —— مس رضوی کو آپ نے"
محمود: "جیسی وہ ہیں —— بے انتہا حسین و جمیل، لیکن دوسروں

کے لئے دردِ سر"
شاہین: "آپ کو تو ہر ایک میں کوئی نہ کوئی عیب ضرور نظر آتا ہے"
محمود: "یہ بھی غلط —— تم میں اگر میں نے کوئی آج تک عیب نکالا ہو تو بتاؤ؟"
شاہین نے کوئی جواب نہیں دیا، اب یہ دونوں ڈرائنگ روم میں پہنچ چکے تھے۔ ان کے پہنچتے ہی چائے کا دور شروع ہو گیا۔ محمود کے آجانے سے فضا یکسر بدل گئی، مس رضوی اور جمیل کی باہمی گفتگو جس سنجیدہ ماحول میں ہو رہی تھی وہ اب یکسر نغمہ و قہقہہ بن گیا۔ محمود کی شوخ اور ظرافت سے بھرپور باتوں نے ہنسنے پر اور بہت عرصہ کے بعد جمیل کو مسکرانے پر مجبور کر دیا۔ مس رضوی جانے کے لئے جلدی کر رہی تھیں۔ لیکن محمود کی بذلہ سنجی نے انہیں بڑی دیر تک بیٹھنے پر مجبور کر دیا۔ یہاں تک کہ مغرب کا وقت آ گیا، جاتے وقت شاہین نے بڑی التجا اور اصرار کے ساتھ کہا:۔
"آپ جا رہی ہیں تو جائیے، لیکن یہ بتا دیں کہ اب کب آئینگی؟"
مس رضوی نے کہا:۔
"ہمیشہ میں ہی آتی رہوں گی؟ —— اب تمہاری باری ہے"
(جمیل سے مخاطب ہو کر) آپ بھی ضرور آئیں گے۔ اور محمود صاحب آپ بھی"
محمود نے کہا: "میری کیا ضرورت ہے؟"

ؔ غالب خستہ کے بغیر کون سے کام بند ہیں

مس رضوی نے فرمایا:-

آپ نہ آتے تو ہماری محفل روکھی سوکھی رہتی!

محمود:- گویا میری حیثیت نمک پارے کی ہے؟

مس رضوی کو بے ساختہ ہنسی آ گئی۔ انھوں نے کہا۔

میں یہ نہیں جانتی کہ آپ کی حیثیت کیا ہے؟ اور اگر آپ یہ جاننا ہی چاہتے ہیں تو ذرا انتظار کیجئے، حیثیت جلد تعین نہیں ہوا کرتی، اور پھر اتنی جلدی کی ضرورت بھی کیا ہے؟ — کیوں شاہین؟

شاہین کچھ جھینپ سی گئی، مس رضوی نے بات ختم کرتے ہوئے کہا۔

"اب کی اتوار میں نے صرف تمہاری مہمانداری کے لئے رکھی ہے، اگر نہ آئیں تو شکایت ہو گی۔!"

مس رضوی پیام بہار بن کر آئیں ...... اور نسیم بہار کی طرح رخصت ہو گئیں۔ پہلی ہی ملاقات میں انہوں نے ایک گہرا اور نہ مٹنے والا نقش قائم کر دیا، سب کے دلوں پر، خاص طور پر جمیل تو اس کی دلآویز شخصیت اور دلفریب باتوں سے متاثر ہوا، وہ چلی گئیں اور جمیل کو ایک نئی دنیا میں پہنچا گئیں۔ امید اور آرزو کی دنیا میں۔!

سولھواں باب (۱۶)

کئی بار جمیل کا جی چاہا۔ کہ مس رضوی کی دعوت سے فائدہ اٹھائے ان کے در دولت پر پہنچے اور باتیں شروع کر دے، وہی باتیں جو اس روز ہوئی تھیں جن میں دکھ بھی تھا اور سکھ بھی، جوش بھی تھا، اور سکون بھی، لیکن ہمت نہ پڑی، وہ بے تابی کے ساتھ اتوار کا انتظار کر رہا تھا۔

آخر اتوار آیا

جمیل اشتیاق کے نشے میں سرمست مس رضوی کے ہاں جانے کو تیار ہوا۔ لیکن شاہین کی طبیعت خراب تھی، پھر بھی وہ جانے پر رضامند تھی لیکن ماں نے نہ جانے دیا۔ محمود نے آنے کا وعدہ کیا تھا۔ لیکن وہ بھی کسی وجہ سے نہ آ سکا، جمیل نے شاہین سے کہا:-

عجیب اتفاق ہے، محمود صاحب تشریف نہیں لائے، تم بیمار ہو گئیں۔

rekhta

اور وہاں بیچاری مس رضوی انتظار کی گھڑیاں گن رہی ہوں گی کچھ سمجھ میں نہیں آتا کہ کیا کیا جائے؟ تمہیں بھی آج ہی بیمار پڑنا تھا اور محمود کو بھی آج ہی کوئی ضرورت پیش آنی تھی؟ بڑے نالائق لوگ ہو تم۔!

شاہین نے کہا۔ بھیا میں تو تیار ہوں چلنے کو، لیکن اماں نہیں جانے دیتیں، انہیں رضامند کر لیجئے تو چلتی ہوں۔"

جمیل نے ترش ہو کر کہا:۔

واہ بھلا وہ اپنی جہیتی بیٹی کو اس حالت میں کیسے جانے دیں گی۔"

شاہین جمیل کے اضطراب کو اور اس کے سبق کو کچھ کچھ سمجھنے لگی تھی۔ اس نے مسکراتے ہوئے کہا۔

اچھا ایک بات کیجئے۔ معذرت کر آئیے جا کر مس رضوی سے، اس طرح ان کے آنسو پچھ جائیں گے۔

بات جمیل کی سمجھ میں آگئی، جیسے اندھیرے میں روشنی کی کرن نظر آتی ہے۔ اس نے کہا۔

کہتی تو ٹھیک ہو مجھے چلا جانا چاہئے، بیچاری انتظار کرتے کرتے پریشان ہو گئی ہوں گی۔"

شاہین نے جواب دیا: ہاں ضرور جائیے۔"

جمیل:۔

محمود ہی آجاتا تو اس کے ساتھ چلا جاتا۔ اکیلا کیا جاؤں؟"

شاہین:۔ آئیں مانہ آئیں۔ آپ اپنی منزل کیوں کھوٹی کرتے ہیں۔ چلے جائیے۔"

جمیل۔

ہاں! سوچ تو یہی رہا ہوں۔ لیکن"

شاہین۔

اس میں سوچنے کی بات کیا ہے، معذرت میں دیر ہو رہی ہے مس رضوی بڑی حساس خاتون ہیں۔ اگر کہیں روٹھ گئیں تو منائے نہ منیں گی۔"

جمیل

(معصومیت کے ساتھ) تو واقعی مجھے چلا جانا چاہئے؟"

شاہین۔

(مسکراتے ہوئے) کہہ تو رہی ہوں۔ بھیا۔ اور کس طرح کہوں۔ آپ تو خواہ مخواہ دیر کئے جا رہے ہیں۔"

جمیل:۔ اچھا جاتا ہوں۔ لیکن اگر محمود آجائے تو اسے روک لینا۔ آج میں اس کی خبر لوں گا۔"

شاہین نے کوئی جواب نہیں دیا۔ وہ اپنے تبسم کو چھپانے کی کوشش کر رہی تھی، جمیل نے اس کیفیت کو محسوس نہیں کیا اور سیدھا مس رضوی کی طرف ہمہ شوق و اضطراب بن کر روانہ ہو گیا۔

مس رضوی واقعی انتظار کرتے کرتے اکتا چکی تھیں اور عین اس وقت جب ان لوگوں کے آنے سے مایوس ہو چکی تھی، جمیل پہنچا۔ وہ بڑے تپاک اور اخلاق سے پیش آئیں۔ اور پھر شاہین اور محمود کو نہ دیکھ کر تعجب

کے لہجے میں دریافت کیا
"ارے! کیا آپ اکیلے آئے ہیں؟"
جمیل نے کچھ گھبراتے ہوئے کہا: "جی ہاں! میں خود اکیلا آتے ہوئے جھجک رہا تھا۔ پھر سوچا۔ آپ انتظار کر رہی ہوں گی۔ اطلاع دے دوں جا کر ——— بات یہ ہوئی کہ محمود صاحب ہمیشہ کے لاابالی اور بے پرواہ آدمی ہیں، لہٰذا وہ تو حسب توقع تشریف نہیں لائے۔ اور شاہین کو بخار آگیا۔ آپ کو اطلاع دینے نہ آتا تو یہ بھی بُری بات تھی۔"
مس رضوی: "میں آپ کی شکر گزار ہوں کہ آپ نے یہ زحمت گوارا کی۔ خیر کوئی ہرج نہیں، شاہین سے تو کالج میں ملاقات ہو ہی جاتی ہے، آپ نہ آتے تو واقعی کوفت ہوتی۔"
یہ سن کر جمیل کے چہرے پر مسرت کی سرخی دوڑ گئی۔
مس رضوی: "آپ کھڑے کیوں ہیں۔ اب تک؟ آئیے بیٹھئے۔"
جمیل: "(بیٹھتے ہوئے) آپ کا مزاج تو اچھا ہے؟"
مس رضوی: "جی ہاں خدا کا شکر ہے اچھی ہوں۔" ——— شاہین کو کچھ زیادہ بخار تو نہیں؟"
جمیل: "نہیں کچھ ایسا زیادہ تو نہیں۔ لیکن ماں کا دل آپ جانتی ہیں کیا ہوتا ہے۔ امی نے نہیں آنے دیا۔ کل تک انشاء اللہ لوٹ پوٹ کر اچھی ہو جائے گی۔"

مس رضوی: "بڑی اچھی لڑکی ہے۔ مجھے بہت پسند ہے ——— شادی تو ابھی نہیں ہوئی شاید اس کی؟"
جمیل: "نہیں جب تک وہ بی۔ اے نہ کرے۔ اس وقت تک یہ سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔"
مس رضوی: "یہ آپ کی رائے ہے، یا اس کی؟"
جمیل: "دونوں کی۔"
مس رضوی: "محمود صاحب کی تعریف کیا ہے؟"
جمیل: "میرا بڑا گہرا اور عزیز از جان دوست ہے۔ اس دنیا میں ایسے لوگ کم ملتے ہیں۔"
مس رضوی: "ہاں! میرا اندازہ بھی یہی ہے، آدمی مخلص معلوم ہوتے ہیں ——— کیوں نہ شاہین کو ان سے منسوب کر دیا جائے؟"
جمیل: "یہ آپ نے میرے دل کی بات کہی ہے، شاہین بھی اس سے بہت مانوس ہے، وہ خود بھی اس کا بہت خیال کرتا ہے، جب چاہوں گا دونوں کو ایک رشتہ میں منسلک کر دوں گا، کوئی بھی میری مرضی کے خلاف نہیں جا سکتا، اس عرصہ میں اچھا ہے، اگر یہ دونوں ایک دوسرے کو اور پہچان جائیں۔"
مس رضوی: "بہت صائب اور بڑی معقول رائے ہے۔"
جمیل خاموش ہو گیا، مس رضوی نے بھی چپ سادھ لی، دونوں آمنے سامنے بیٹھے تھے، لیکن گم صم، تھوڑی دیر کے بعد مس رضوی نے

گفتگو کا سلسلہ پھر چھیڑا :-

"میں ڈر رہی تھی، کہیں اس روز میری باتوں سے آپ ناراض نہ ہو گئے ہوں؟"

جمیل :- "یہ آپ نے کیا فرمایا، آپ نے کوئی ایسی بات نہیں کی تھی اور اگر کہی ہوتی تو بھی میں آپ سے ناراض نہیں ہو سکتا تھا"

یہ کہتے کہتے جمیل کچھ جھینپ سا گیا مس رضوی کے چہرے پر بھی شرم کی ہلکی سی سرخ لکیر نمایاں ہوئی اور غائب ہو گئی۔

جمیل :- بلکہ سچ پوچھئے تو مجھے اندیشہ ضرور تھا کہ کہیں میری بے تکی اور بے معنی باتوں سے آپ کو کبیدگی نہ ہوئی ہو!

مس رضوی :- "آپ اطمینان رکھئے! میں کبھی کبیدہ خاطر نہیں ہوئی اور سچ یہ ہے کہ آپ کی باتوں سے مجھے لطف آجاتا ہے"

جمیل :- "میں تو یہ سمجھتا ہوں میری باتوں نے آپ کی ہمدردی بھی حاصل کر لی اور وہ میرے لئے ایک پونجی سے کم نہیں"

مس رضوی :- بیشک مجھے آپ سے ہمدردی ہے، میں چاہتی ہوں، آپ کی یہ کیفیت دور ہو اور آپ دنیا سے اپنا حصہ حاصل کریں یہ دنیا خود سے تو کسی کو کچھ نہیں دیتی جب تک کوئی چھیننے کا حوصلہ نہ رکھتا ہو۔

؎ جو بڑھ کر خود اٹھا لے ہاتھ میں مینا اسی کا ہے

جمیل :- "ممکن ہے زمانہ پھر بدل جائے اور اس سے میں اپنا حصہ

حاصل کر سکوں۔ لیکن نہ جانے وہ دن کب آئے گا۔ آئے گا بھی یا نہیں؟"

مس رضوی :- پھر وہی یاس و حرمان کی باتیں کس طرح سمجھاؤں، ناامیدی انسان کو بزدل بنا دیتی ہے، امید انسان میں حوصلہ اور ابھار امنگ پیدا کرتی ہے نا امید کبھی نہ ہوجئے امید کا دامن ہمیشہ پکڑے رکھئے"

جمیل :- میرا خود بھی یہی عقیدہ ہے اور شاید اسی لئے ابتک زندہ ہوں ورنہ کب کا ختم ہو چکا ہوتا، خود کشی کر لیتا، زہر کھا لیتا، نہ جانے کیا کرتا"

مس رضوی :- "آپ کی باتوں سے یہ اندازہ تو ہوتا ہے، کوئی غم ہے جو اندر ہی اندر آپ کو کھائے جا رہا ہے، لیکن اگر کوئی رازدار ہو تو غم کا بوجھ سہارنا آسان ہو جاتا ہے، نہ جانے آپ مجھے اس عزت کا اہل سمجھتے ہیں یا نہیں؟"

جمیل :- "آپ کی ایسی باتوں سے میں شرمندہ ہو جاتا ہوں، ایسا نہ کہئے میں آپ پر اعتماد کرتا ہوں، میں آپ سے کوئی بات نہیں چھپاتا۔ لیکن سوچتا ہوں اپنی غم انگیز کہانی سنا کر کیا کروں گا۔ سوا اس کے کہ آپ کی مسرت بھی کچھ دیر کے لئے غم سے بدل جائے"

مس رضوی :- آپ میرا عہد داہ نہ کیجئے، میں آپ کی داستان سننا چاہتی ہوں، اور پھر جمیل نے اپنی کہانی شروع سے آخر تک اسے سنا ڈالی - اور سنانے کے بعد کہا۔

"یہ ہے میری داستان"

مس رضوی: "واقعی بڑی غم انگیز داستان ہے۔ میرا دل بہت کرایا۔ یہ سن کر۔"

پھر مس رضوی نے پوچھا۔

"کیا اس طرح آپ عالیہ کی روح کو سکھ پہنچا سکتے ہیں؟"

جمیل: "میرا یہی خیال ہے۔ شاید یہی بات ہو۔"

مس رضوی: "آپ کا یہ خیال غلط ہے۔"

جمیل: "وہ کس طرح؟"

مس رضوی: "انسان کی سب سے بڑی غلطی اور غلط فہمی یہ ہے۔ کہ وہ ماضی کی پیچھے دوڑتا ہے، حال کی طرف توجہ نہیں کرتا۔ آپ نے عالیہ سے محبت کی، لیکن اس کی محبت حاصل نہ کر سکے ذرا غور کیجئے، آج عالیہ زندہ ہوتی اور کسی دوسرے کی رفیقۂ حیات ہوتی تو آپ کے دل کا کیا حال ہوتا؟ آج آپ کو صرف یہ غم ہے کہ عالیہ مر گئی جس سے آپ محبت کرتے تھے، اور جو آپ سے محبت نہیں کرتی تھی۔ اور اگر وہ زندہ ہوتی تو آپ کی محبت نفرت، انتقام اور غضب سے بدل چکی ہوتی، زندگی کا وہ دور موجودہ دور سے زیادہ تلخ ہوتا، آپ قدرت کا شکریہ ادا نہیں کرتے اس سے لڑنے کے لئے تیار ہیں۔"

جمیل: "میں نہیں سمجھا، آپ کے اس فیصلے کا مقصد کیا ہے؟"

مس رضوی: "میرا مقصد کوئی فلسفہ بیان کرنا نہیں، سیدھی سی

بات ہے انسان کو زندگی خدا نے اس لئے دی ہے کہ وہ کچھ کرے گویا زندگی نام ہے خدا کی طرف سے عطا کردہ مہلت کا اور موت کا نام ہے، اس موت کو واپس لیجانے کا، جو شخص اس مہلت سے فائدہ نہیں اٹھاتا۔ وہ ناشکری کا مرتکب ہوتا ہے۔ آپ اس لئے زندہ رکھے گئے ہیں کہ کچھ کریں۔ اس لئے نہیں کہ زندگی کے شب و روز سوگ اور ماتم میں صرف کر دیں، یہ کام کم حوصلہ اور دوں ہمت لوگوں کے لئے چھوڑ دیجئے۔"

جمیل: "لیکن میں کیا کر سکتا ہوں، مجھے ہر طرف تاریکی ہی تاریکی نظر آتی ہے۔"

مس رضوی: "آپ خود اپنی روشنی بنئے۔"

جمیل: "کاش بن سکتا۔"

مس رضوی: "انسان کی قوت ارادی سب کچھ کر سکتی ہے۔"

جمیل: "آپ کی باتیں بڑی دلفریب ہیں، ان میں زور ہے، جوش ہے طاقت ہے، ان کے سامنے میں اپنے آپ کو کمزور محسوس کرنے لگا ہوں۔"

مس رضوی: "(تبسم کے ساتھ) اس روز آپ فرما رہے تھے کہ موزوں شعر بھی نہیں پڑھ سکتے اور اس وقت شاعری کر رہے ہیں۔"

جمیل: "(مسکراتے ہوئے) یہ آپ کا فیض صحبت ہے۔"

مس رضوی ہنسنے لگیں اور انہوں نے کہا۔

"واہ آپ بنا لے بھی گئے!"

جمیل :۔ "نہیں، میرے بارے میں ایسا خیال نہ کیجئے، میں ایسی جرأت نہیں کر سکتا۔"

پھر بڑی دیر تک دونوں میں باتیں ہوتی رہیں۔ وقت زیادہ گزر گیا۔ تو جمیل نے رخصت لی اور اپنے گھر واپس آ گیا۔

ستر ھواں باب (۱۷)

شاہین کی طبیعت اس دن کچھ یوں ہی سی خراب تھی، خیال تھا کہ صبح تک لوٹ پوٹ کر اچھی ہو جائے گی۔ لیکن صبح جب اٹھی تو بخار بہت تیز تھا۔ اب تو جمیل کو بھی فکر ہوئی، وہ اسے مذاق سمجھ رہا تھا۔ فوراً ڈاکٹر کو بلایا گیا اس نے احتیاط سے معائنہ کیا اور فیصلہ صادر کر دیا کہ ٹائیفائیڈ ہے ٹائیفائیڈ کا نام سُن کر جمیل گھبرا گیا، وہ جانتا تھا یہ بخار بڑا موذی ہوتا ہے۔ اتفاق سے گھر میں اس کے سوا کوئی اور شاہین کی دیکھ بھال کرنے اور علاج معالجہ کرانے والا نہیں تھا۔ محمود سے بڑی مدد مل سکتی تھی، لیکن وہ کئی دن ہوئے کمپنی کے کام سے باہر گیا ہوا تھا، اور ابھی کئی دن تک اس کے آنے کی توقع نہیں تھی۔ ادھر کالج میں جو کئی دن تک شاہین

نہیں پہنچی، تو تیسرے دن مس رضوی دوڑی دوڑی آئیں۔ جمیل ربیعہ کی چارپائی کے قریب ایک آرام کرسی پر بیٹھا ہوا، کسی رسالے کی ورق گردانی کر رہا تھا۔ رات بھر وہ سو نہیں سکا تھا۔ کیونکہ شاہین پر ہذیانی کیفیت طاری ہو گئی تھی، اس وقت اس کی آنکھیں نیند سے بوجھل اور سرخ ہو رہی تھیں، لیکن مس رضوی کو دیکھ کر وہ اپنی تکان اور نیند سب کچھ بھول گیا، اس نے ان کا خندہ پیشانی کے ساتھ استقبال کیا۔ اور بڑے مسکیں لہجے میں کہا۔

مس رضوی :- ! آپ نے تو پھر خبر ہی نہ لی۔ دیکھئے کتنی زیادہ بیمار ہو گئی ہے، اس وقت نیم بیہوش پڑی ہے، کئی مرتبہ آپ کو پوچھ چکی ہے، رات کو ہذیانی کیفیت زیادہ شدت کے ساتھ طاری تھی۔ مچل گئی کہ میں مس رضوی کے ہاں جاؤں گی۔ بڑی مشکل سے بچوں کی طرح بہلایا تب مانی ہے جا کر۔ !"

شاہین پر ایک محبت بھری نظر ڈالتے ہوئے مس رضوی نے کہا۔

"تو آپ نے مجھے بلا کیوں نہ لیا؟ میں آجاتی"

جمیل :- واہ! بھلا اتنے غیر وقت آپ کو تکلیف دینے کا کیا موقع تھا۔ ہاں آج ارادہ کر رہا تھا کہ آپ کو اطلاع دے دوں"

مس رضوی :- میں تو اس وقت شکایت بن کر آئی تھی، ارادہ تھا کہ شاہین سے بھی خوب لڑوں گی، اور آپ سے بھی جی بھر کر شکایت کروں گی، یہ اس روز دعوت میں نہیں آئی اور آپ نے بھی

گھر کا رخ نہیں کیا۔ ایسی بھی کیا بے مروتی"

جمیل :- لیکن یہاں آکر تو آپ کی شکایت رفع ہو گئی"

مس رضوی :- ہاں! اب تو اسے اپنی آنکھوں سے بیمار اور آپ کو پریشان دیکھ رہی ہوں ــــــ لیکن ڈاکٹر کیا کہتے ہیں؟

جمیل :- ٹائیفائیڈ تجویز کیا ہے، کہتے ہیں انشاء اللہ چند روز میں ٹھیک ہو جائے گی"

مس رضوی :- انشاء اللہ ــــــــــــ یہ مرض بڑا تکلیف دہ ہوتا ہے میں بھی بھگت چکی ہوں۔ اس میں علاج سے زیادہ احتیاط کی ضرورت ہوتی ہے ــــ!

جمیل :- جی ہاں! ڈاکٹر صاحب بھی یہی کہہ رہے تھے ــــــــــــ

مس رضوی :- علاج کس کا ہے؟

جمیل :- ڈاکٹر سلطان کا ــــــــــــ ہمارے خاندانی معالج ہیں اور اپنے فن میں ماہر ہیں"

مس رضوی :- میں نے بھی ان کا شہرہ سنا ہے ــــــــ لیکن مجھے تو آپ بھی کچھ بیمار سے نظر آرہے ہیں، کیا بات ہے؟

جمیل :- (اس پرسش سے مسرور ہو کر) میں تو اچھا ہوں خدا کے فضل سے بات یہ ہے کہ شاہین کی بیماری کے سبب تمام معمولات میں فرق آگیا ہے اس لئے ذرا تکان سی محسوس ہو رہی ہے رات بھر سو نہیں سکا"

مس رضوی :- "تو اکیلے آپ ہی کیوں اس کے انچارج بنے ہوئے ہیں ؟
گھر میں ماشاء اللہ اور لوگ بھی تو ہیں !"

جمیل :- "ہیں ! لیکن نہ وہ کسی سے اتنی مانوس ہے جتنی مجھ سے، نہ میں،
—— ہوش و حواس جب تک درست ہیں، اس حالت
میں اس کے پاس سے اٹھ سکتا ہوں۔ بچپن سے بہت انس ہے مجھے
اور جب تک یہ چھوٹی تھی خوب چپٹا تا رہتا تھا اسے، لیکن جیسے
جیسے بڑھتی گئی، اپنی محبت، سعادت اور شرافت سے مجھ پر
حاوی ہوتی گئی، میں امی سے بھی اتنا نہیں دبتا جتنا اپنی اس
چھوٹی بہن سے دبتا ہوں !"

یہ کہتے کہتے جمیل کی آنکھیں آبگوں ہو گئیں، مس رضوی نے صورت حال
کا اندازہ کرتے ہوئے گفتگو کا موضوع بدل دیا۔ کہنے لگیں :-

اب آپ ہمارے ہاں کب آ رہے ہیں ؟

جمیل :- "دعا کیجئے، شاہین اچھی ہو جائے تو اسے لے کر آؤں گا۔"

مس رضوی :- "وہ تو انشاء اللہ بہت جلد اچھی ہو جائے گی، لیکن مجھے اندیشہ
یہ ہے کہیں ایسا نہ ہو وہ اچھی ہو اور آپ بستر علالت پر اسکی جگہ لے لیں !"

جمیل :- (مسکراتے ہوئے) "یہ اندیشہ آپ کو کیوں ہو رہا ہے ؟"

مس رضوی :- "آپ کی بے پرواہی سے، واقعی سچ کہتی تھی ہمارے بھیا اپنے
بارے میں اتنے بے پرواہ ہیں جس کی انتہا نہیں !"

جمیل :- (ہنستے ہوئے) "وہ تو بے وقوف ہے۔"

مس رضوی :- "اور میرے بارے میں آپ کا کیا خیال ہے ؟"

جمیل :- "آپ کے بارے میں، بھلا کہیں اس طرح کی بات سوچی جا سکتی ہے ؟"

یہ تاب، یہ مجال، یہ طاقت نہیں مجھے

مس رضوی :- "لیکن آپ کے بارے میں میری بھی وہی رائے ہے جو شاہین کی،
اگر آپ اس طرح جاگتے اور محنت کرتے رہے تو ——"

جمیل :- "اچھا آج سے احتیاط کروں گا۔"

مس رضوی :- "ایسا کیجئے، شاہین کی تیمار داری تقسیم کر دیجئے اور کچھ حصہ
مجھے دیدیجئے، کالج سے واپسی پر میں آجایا کروں گی، اور تین چار گھنٹے
اس کے پاس رہوں گی، میری باتوں سے اس کی طبیعت بھی بہلے گی !"

جمیل :- "اس میں کیا شک ہے، لیکن اگر آپ نے اتنی زیادہ محنت کی تو مجھے
آپ کے بارے میں وہی کہنا پڑے گا جو آپ ابھی میرے بارے میں
فرما رہی تھیں ——"

مس رضوی ہنسنے لگیں، انھوں نے کہا :- "آپ میری فکر کیوں کرتے ہیں !"

جمیل نے ابھی کوئی جواب نہیں دیا تھا کہ شاہین نے کروٹ بدلی، اور
آنکھ کھول دی، مس رضوی فوراً اس کے پاس پہنچیں، ماتھے پر ہاتھ
رکھا اور اس کی بالیں پر بیٹھ کر بڑے محبت بھرے لہجہ میں کہا ——

"تم کس کی اجازت سے بیمار پڑیں ؟"

شاہین نے کمزور اور نحیف آواز میں جواب دیا

"اس کا جواب آپ خود دے سکتی ہیں !"

جمیل نے ہنستے ہوئے کہا: "دیکھئے مس رضوی کتنی شریر ہے یہ شاہین بیماری اور کمزوری کی حالت میں بھی اس کی شرارت نہیں جاتی۔ آپ کا دوبدو مقابلہ کر رہی ہے"

مس رضوی نے جواب دیا: "آپ ہماری فکر نہ کیجئے، ہم دونوں اکیلے ہی ان سے نپٹ لیں گے!"

یہ باتیں ہو رہی تھیں کہ محمود آگیا، اسے دیکھ کر شاہین کا چہرہ فرطِ مسرت سے کھل گیا، لیکن زبان سے کچھ نہ بولی، مس رضوی اور جمیل بھی اس کے آنے سے بہت خوش ہوئے۔

جمیل نے اسے ڈانٹتے ہوئے کہا:۔

"کہاں غائب تھے تم اتنے دنوں سے؟"

محمود نے کرسی پر بیٹھتے ہوئے کہا: "آپ کو معلوم ہے، جہاں تھا لیکن یہ توفیق بھی نہ ہوئی کہ شاہین کی علالت سے مطلع کر دیتے"

جمیل: "کیا ضرورت تھی مطلع کرنے کی خواہ مخواہ تم پریشان ہوتے اور شاہین کی تو یہ عادت ہو گئی ہے، جب دیکھو بیمار بن جاتی ہے"

مس رضوی: "(محمود سے) لیکن آپ نے غوطہ لگایا کہاں تھا"

محمود: "موتی کی تلاش میں، اور وہ ملا یہاں!"

سب ہنسنے لگے شاہین کے ہونٹوں پر بھی مسکراہٹ کھیلنے لگی۔

مس رضوی نے کہا

اس کے معنی یہ ہیں کہ آپ کی تلاش ناقص ہے یا ڈھونڈتے کہیں ہیں

پالتے کہیں ہیں"!

جمیل نے فاتحانہ نظروں سے محمود کو دیکھا اور کہا:

"جناب حاضر جواب، اور برجستہ گو صاحب فرمائیے کچھ؟"

محمود: "فقیر کی جھولی میں جوابوں کی کیا کمی ہے، لیکن ؎

ہر سخن وقتے و ہر نکتے مقامے دارد

اس وقت اگر میں شکست بھی تسلیم کر لوں تو اس کا زیادہ صدمہ نہیں ہوگا"

جمیل: "یہ کیوں جناب؟"

محمود: "اس لئے کہ ایک عرصہ دراز کے بعد آپ کو موڈ میں دیکھا ہے! اور آپ کو اس حالت میں دیکھنے کے لئے لفظی شکست کیا معنی، میں اپنی گردن کٹا سکتا ہوں ـــ!"

مس رضوی: "آپ لوگ بھی عجیب ہیں۔ مریضہ کے پاس بیٹھے ہیں، اور لڑ رہے ہیں!! ـــــ جائیے آپ لوگ دوسرے کمرے میں، ہمیں شاہین سے باتیں کرنے دیجئے"

محمود:۔ بہت اچھا۔ اگر آپ کی مرضی یہی ہے۔ تو چلے جائیں گے، لیکن کیا یہ نہیں ہو سکتا کہ معافی مانگ لیں اور یہیں بیٹھے رہیں؟"

مس رضوی کو بے ساختہ ہنسی آگئی، کہنے لگیں: "واقعی محمود صاحب آپ سے جیتنا مشکل۔ اچھا بیٹھئے، لیکن شور و غل نہ مچائیے اس سے مریضہ کو تکلیف پہنچتی ہے!"

محمود: "ممکن ہے نئی تھیوری یہی ہو۔ لیکن مرحوم میڈیکل کالج کا پرنسپل

تھا۔ اس زمانہ میں تو ہر مرض کا علاج ، یہ تھا کہ خوب چچوڑ ـــــ "

مس رضوی :۔ "تاکہ نہ مرض رہے نہ مریض ، ـــــ ـــــ اور آپ کس میڈیکل کالج کے پرنسپل تھے ؟"

جمیل :۔ "جو شخص ڈاکٹری کی الف ، بے بھی نہیں جانتا ، وہ میڈیکل کالج کا چپراسی بھی نہیں بن سکتا۔ پرنسپل کیا بنے گا ؟ بکتا ہے۔ یونہی جب عادت اور آپ نے اپنی سادگی سے یقین بھی کر لیا ؟"

مس رضوی :۔ "واقعی میں تو سمجھنے لگی تھی کہ محمود صاحب ڈاکٹر ضرور ہیں"

محمود :۔ "حسد اور جلن کی بات دوسری ہے ، ورنہ میں تو صاف الفاظ میں چیلنج دیتا ہوں۔ جسے میری ڈاکٹری پر شبہ ہو ، وہ بیمار پڑ کر دیکھ لے ۔"

مس رضوی :۔ "میں اس چیلنج کو نہیں قبول کر سکتی ، مانے لیتی ہوں ، آپ بہت بڑے اچھے ڈاکٹر ہیں ۔"

محمود ، جمیل ، شاہین سب ہی کو ہنسی آ گئی ، ہنسی کا شور ایسا بلند ہوا کہ شاہین کی امی گھبرائی ہوئی آ گئیں ۔ انہیں دیکھتے ہی سب چپ ہو گئے کہنے لگیں :۔ "یہ اتنا غل کیوں مچ رہا ہے ؟ میں تو گھبرا گئی ۔"

محمود نے جواب دیا :۔ "شاہین آپ کو بلا رہی تھی !"

پھر سب ہنسنے لگے ، اور امی جان بھی مسکرانے لگیں !

اور عین اس وقت جب مس رضوی محبت بھری باتیں کر رہے تھے آزاد اپنے کمرے میں بیٹھا دستور کے سامنے گڑگڑا رہا تھا آج کا آزاد پہلے کے آزاد سے کتنا مختلف تھا ، یہی آزاد تھا جو کل تک مطلوب جہاں بنا ہوا

تھا۔ اور آج اس کے چہرے پر بے رونقی تھی ، آنکھیں بجھی بجھی سی ، چہرے پر جھریاں آشکارا ، وہ طراوت اور تازگی جو آزاد کی امتیازی خصوصیت تھی حرف غلط کی طرح مٹ چکی تھی ، وہی آزاد جو اپنی آن اور شان کے سامنے بڑے بڑے لوگوں کی پرواہ نہیں کرتا تھا۔ آج دستور کے سامنے اس طرح بیٹھا تھا جیسے کسی دولت مند کے سامنے کوئی بھکاری ، دستور اکڑ اکڑ کر باتیں کر رہا تھا اور وہ نرمی اور ملائمت کے ساتھ اسے خاموش کرنے کی کوشش کر رہا تھا ، دستور نے گرجدار آواز میں کہا۔

مسٹر آزاد آپ کی یہ باتیں بے کار ہیں ، آپ جھوٹے ہیں ، میں آپ پر اعتبار نہیں کر سکتا۔

آزاد نے آہستہ سے کہا۔

"دستور صاحب یہ میرا گھر نہیں ، ہوٹل کا کمرہ ہے ، یہاں چیخ چیخ کر باتیں نہ کیجئے ۔"

دستور :۔ "میں آپ سے باتیں ہی نہیں کرنا چاہتا۔ آج آپ نے روپیہ دینے کا آخری وعدہ کیا تھا۔ وعدہ پورا کیجئے میں ابھی چلا جاتا ہوں ۔"

آزاد :۔ "کیا آپ میری پریشانی کا میری صورت سے اندازہ نہیں لگا سکتے ؟"

دستور :۔ "نہیں ، نہ میں حکیم ہوں ، نہ ڈاکٹر ، نہ قیافہ شناس ۔"

آزاد :۔ "دیکھئے میں نے کئی دن سے شیو نہیں کیا۔ میرے کپڑے کتنے میلے ہو گئے ہیں کئی دنوں سے ایک پل کے لئے بھی نہیں سویا ، آپ کے آنے سے ابھی تھوڑی دیر پہلے آئینے میں میں نے اپنی صورت دیکھی تھی

میں ڈر گیا۔ میں اتنا بھیانک ہو سکتا ہوں ۔ یہ میں نے کبھی نہیں سوچا تھا ۔ آئینہ میرے ہاتھ سے گر کر چور چور ہو گیا ۔ کاش آئینے کی بجائے میں گر تا اور پاش پاش ہو جاتا ، لیکن قسمت میں تو آپ کے جوتے کھانا لکھے تھے یہ کیسے ہوتا ۔ مجھے خود اپنے اوپر رونا آتا ہے ۔ میں اپنے ناک پر مکھی بیٹھنے نہیں دیتا تھا ۔ آج آپ سے گڑگڑا گڑگڑا کر منتیں کر رہا ہوں کیا آپ وہ زمانہ بھول گئے ۔ جب مجھے شہزادہ کہہ کر مخاطب کیا کرتے تھے ؟"

دستور :۔ "عالیہ تمہیں شہزادہ کہتی تھی ، تم عالیہ کے قاتل ہو ، میں ایک قاتل کو شہزادہ نہیں کہہ سکتا ۔"

آزاد :۔ "(سرگوشی کے لہجے میں) سیٹھ صاحب خدا کے لئے آہستہ آہستہ باتیں کیجئے ۔"

دستور :۔ "کیا آہستہ آہستہ باتیں کریں کسی کے ذلیل ہیں ؟ کسی سے ڈرتے ہیں ؟"

آزاد :۔ "نہیں ! آپ کیوں کسی سے ڈرنے لگے ، آپ عالیجاہ ہیں ، میں آپ کا نیازمند ، میں ڈرتا ہوں ، میرے ڈر پر رحم کیجئے ۔"

دستور :۔ "یہ میٹھی میٹھی باتیں عالیہ پر اثر کر گئیں ۔ وہ بھولی بھالی کمسن اور نادان لڑکی تھی ، دھوکے میں آ گئی ۔ میں ٹھہرا ایک گھاگ مجھ پر یہ باتیں کیا اثر کریں گی ؟ ہاں یہ ضرور کہہ سکتا ہوں کہ آپ میں اداکاری کا کافی مادہ ہے ۔ آپ اچھی ایکٹنگ کر سکتے ہیں ۔"

آزاد :۔ "تو تھیٹر کھولئے اور مجھے ملازم رکھ لیجئے ۔"

دستور :۔ "(قہقہہ لگا کر) اچھی کہی بھائی ، تا کہ وہاں راجہ اندر بن کر

بیرلوا کا اکھاڑہ جماؤں اور ہمارے ہاتھ میں وہی ڈھاک کے تین پات آئیں ۔ جو عالیہ کے زمانے میں آ چکے ہیں ، نا بابا بخشو ۔ مرغی لنڈوری ہی بھلی ۔"

آزاد :۔ "سیٹھ صاحب آپ کے ان الفاظ میں کتنی سفاکی ہے ، بے دردی بے رحمی اور شقاوت بھری ہوئی ہے ، ایسے الفاظ کوئی ایک آدمی کسی آدمی سے کہہ سکتا ہے ؟"

دستور :۔ "کیا تم اپنے آپ کو آدمی نہیں سمجھتے ؟ تم وہی ہو جس نے ان الفاظ سے زیادہ تیز و تند الفاظ ایک فرشتہ صفت لڑکی عالیہ سے کہے تھے ، اس کا دل توڑ دیا تھا ، اسے خودکشی پر مجبور کر دیا تھا ۔ وہ الفاظ آج بھی میرے کانوں میں گونج رہے ہیں ۔"

آزاد :۔ "آپ کے الفاظ ان الفاظ سے زیادہ سخت ہیں ۔"

دستور :۔ "ان الفاظ کا نتیجہ یہ ہوا کہ عالیہ نے خودکشی کر لی تھی ، تم بھی اگر خودکشی کر لو ، تو مان لوں گا کہ غیرت مند آدمی ہو ، سمندر یہاں سے صرف چند قدم کے فاصلے پر ہے ۔ دیکھو تمہیں آغوش میں لینے کے لئے کتنی اونچی اونچی موجیں اٹھ رہی ہیں ؟ کیا انہیں بھی عالیہ کی طرح مایوس کر دو گے ؟ دیکھو ! وہ ساحل کی چٹانوں سے سر ٹکرا کر واپس جا رہی ہیں ، روک لو انہیں ۔ !"

آزاد :۔ "آہ ! آج کیسی کیسی باتیں مجھے سننا پڑ رہی ہیں ۔"

دستور :۔ "روپیہ دے دو ، میں تمہارے گن گانے لگوں گا ۔"

آزاد :۔ "کاش ! میرے پاس روپیہ ہوتا ——— دولت کو نین بھی ہوتی

تو آپ کو دیکھ کر اپنا پیچھا چھڑا لیتا۔"

دستور:" تو گویا روپیہ دینے سے آپ انکار کرتے ہیں؟"

آزاد:" انکار نہیں کرتا۔ جتنا آپ مانگتے ہیں، اس سے زیادہ دوں گا تھوڑی دیر مہلت اور دیجئے۔"

دستور:" ناممکن۔ اب مہلت نہیں مل سکتی۔"

آزاد:" میں نے اب تک اپنے کسی دوست کے سامنے ہاتھ نہیں پھیلایا۔ اب آپ کا مطالبہ پورا کرنے کے لئے میں ایک ایک دوست سے بھیک مانگوں گا۔ چند روز کی مہلت اور دیجئے۔"

دستور:۔" اگر واقعی بھیک مانگنا تھا تو پہلے کیوں نہیں مانگا؟"

آزاد:۔" غلطی ہوئی معاف کر دیجئے۔"

دستور:" معافی پولیس سے مانگنا۔"

آزاد:۔ (سہم کر) تو آپ فیصلہ کر چکے ہیں کہ مجھے پولیس کے حوالے کر دیں گے؟"

دستور:" ہاں! میرا یہ اٹل فیصلہ ہے —— مہلت دے سکتا ہوں مگر کل اسی وقت تک!"

آزاد:" یہ مہلت تو بہت ناکافی ہے۔"

دستور:۔ اس سے زیادہ میں کچھ نہیں کر سکتا —— مجبور ہوں۔"

آزاد:۔ (غصہ کے ساتھ) "سیٹھ صاحب! آپ یہ نہ بھولئے، آپ کا یہ طرز عمل خود آپ کے لئے بھی نقصان دہ ہے۔"

دستور:۔ (کھڑے ہو کر) "تم دھمکی دیتے ہو۔"

آزاد:۔ (دستور کو کرسی پر بٹھاتے ہوئے منت) "نہیں سیٹھ صاحب میں آپ کو دھمکی نہیں دیتا، ایک کمزور اور بے بس آدمی کسی کو کیا دھمکی دے سکتا ہے؟

دستور نے کہا:" بہت اچھا! ایک مرتبہ اور دھوکا کھاتا ہوں آپ کو ایک ہفتہ کی مہلت دیتا ہوں، —— لیکن یہ آخری مہلت ہے!"

---

rekhta

اٹھارواں باب

وہی ہوٹل ہے، وہی کمرہ، وہی آزاد ——— ہر روز آزاد کی حالت بگڑتی اور بدلتی چلی جاتی ہے، اس کی کاٹھی دیکھکر اندازہ ہوتا تھا۔ کہ یہ بوڑھا ہو کر بھی جوان ہی رہے گا، لیکن اب یہ حالت تھی کہ جوان تھا۔ لیکن بوڑھا ہو چکا تھا، آنکھیں حلقوں میں دھنس گئی تھیں، سر کے بال تیزی سے سفید ہو رہے تھے، گالوں پر جھریاں پڑ گئی تھیں، پیشانی پر ہر وقت شکنیں نمودار رہتی تھیں اور کمرے سے باہر نکلنا تو اس نے بالکل چھوڑ دیا تھا حتیٰ کہ نیاز اور حیدر وغیرہ سے بھی نہیں مل سکتا تھا۔ بلکہ ان سے کہلا دیا تھا کہ باہر سفر پر جا رہا ہے، ابھی ابھی دستور آیا تھا، روپے کا تقاضا کر رہا تھا لیکن آزاد نے نہایت عاجزی اور درماندگی کے ساتھ پھر مہلت مانگ لی اس نے

مہلت دے تو دی، لیکن بہت بگڑتا اور خفا ہوتا ہوا واپس گیا، آزاد واقعی یہ چاہتا تھا کہ دستور کو روپیہ دے کر اس کا منہ بند کر دے اور سر پر لٹکتی ہوئی اس تلوار سے تو خلاصی حاصل کرے، لیکن روپیہ اس کے پاس کہاں؟ جو عقیدت مند تھے وہ بدگمان چکے تھے۔ جو دوست تھے وہ اسکی فضول خرچی سے پہلے ہی نالاں تھے۔

نیاز اور حیدر اسکی اتنی مالی امداد کر چکے تھے کہ اب اسے ان سے کچھ مانگتے شرم آتی تھی، سیٹھ صاحب بھی اسے بہت مانتے تھے، لیکن بڑے کنجوس تھے ہرگز اتنی بڑی رقم نہیں دے سکتے تھے، مہلت لینے کا مقصد یہ تھا کہ شاید اس عرصے میں کوئی صورت نکل آئے کہیں سے رقم ہاتھ آجائے، لیکن یہ یقین تھا کہ دستور نے اس مرتبہ آخری مہلت دی ہے اب وہ مہلت کا ناگام سننا بھی گوارا نہیں کرے گا، سیدھا پولیس اسٹیشن پہنچیگا اور اسے حوالۂ پولیس کر دیگا۔ اسی فکر میں گردن لٹکائے وہ بیٹھا ایک معمولی قسم کا سگریٹ پی رہا تھا کہ بیرا آیا، اس نے اطلاع دی مس اندرا آپ سے ملنے تشریف لائی ہیں، اندرا سے اب آزاد کو نفرت ہو چکی تھی۔ وہ اب اسکی صورت دیکھنا بھی نہیں چاہتا تھا۔ اس میں اب رہ بھی کیا گیا تھا کہ وہ اس کی طرف ملتفت ہوتا۔ یہ نام سن کر اس نے تیوریاں چڑھا لیں اور ذرا ترش لہجہ میں کہا۔

تم جانتے ہو میں کسی سے نہیں ملتا، اس لئے میں نے تاکید کر دی ہے کہ میرے پاس کسی کو نہ لایا کرو۔ مگر تم جب دیکھو کسی نہ کسی کے آنے کی خوشخبری دیتے آ ہی جاتے ہو۔ جاؤ۔ بھاگو۔ کہدو۔ صاحب کی طبیعت خراب ہے وہ

صورہے ہیں!"

بیرا یہ پھٹکار سن کر واپس چلا۔ پھر نہ معلوم آزاد نے کیا سوچا کہ اسے آواز دے کر بلایا اور کہا:۔

"جاؤ بُلا لاؤ!"

ذرا دیر میں اندرا آ گئی۔ وہ اب حسین و جمیل نہیں تھی۔ ایک مٹا ہوا، ٹوٹا ہوا مجسمہ تھی۔ نہ وہ آب و رنگ، نہ وہ جمال و رعنائی، کھال اور ہڈیوں کا ڈھانچہ، پھر بھی ایک بجلی تھی جو اس کے سر و پا پر چھائی ہوئی تھی ایک نیا آدمی اسے دیکھ کر متاثر ہوتا۔ لیکن جو اسے ایک مرتبہ دیکھ لیتا تھا۔ وہ ان مٹے ہوئے نقوش میں بھی جنت نگاہ رعنائیاں دیکھ لیتا تھا۔

اندرا آئی اور آزاد کے پاس بیٹھ گئی، آزاد نے اسے دیکھا اور مسکرایا۔

"آؤ اندرا، ——— کہو اچھی تو ہو!"

اندرا نے ایک پھیکے تبسم کے ساتھ جواب دیا۔

"اچھی ہوں، اچھی نہ ہوتی، تو آپ تک کیسے پہنچتی؟"

آزاد:۔ کیسے آنا ہوا؟"

اندرا:۔ "بہت دنوں سے آپ کو نہیں دیکھا تھا، جی چاہا، ذرا دیر کیلئے آپ کا دیدار کر آؤں جا کر ——— میرے آنے کا کوئی غلط مطلب نہ لیجئے گا۔ میں آپ کو پریشان کرنے یا کسی ذہنی کوفت میں مبتلا کرنے نہیں آئی ہوں، نہ کوئی مطالبہ لے کر آئی ہوں، مقصد صرف آپ کو دیکھنا اور کچھ دیر باتیں کرنے کا ہے۔"

آزاد:۔ (شرمندہ ہوتے ہوئے) کیوں مجھے شرمندہ کرتی ہو؟"

"تم جب چاہو آ سکتی ہو، تم میری ہو، میں تمہارا ہوں، ہم دونوں جب تک زندہ ہیں کبھی ایک دوسرے سے جدا نہیں ہو سکتے، خواہ ہم کہیں رہو، میں کہیں رہوں، خواہ دنیا کی نظر میں ہم ایک دوسرے سے اجنبی ہی کیوں نہ رہیں، خواہ زندگی بھر سماج ہمیں ایک دوسرے کا مالک نہ دیکھ سکے ——!"

اندرا:۔ (خوش ہو کر) میرے لئے آپ کے یہ الفاظ ہی بہت ہیں بلکہ اگر یہ کہوں کہ میرے جیون کا سہارا ہیں تو غلط نہ ہوگا، میں دنیا کی پرواہ نہیں کرتی، سماج کو بے حقیقت سمجھتی ہوں، آپ کے لئے میں نے خاندان چھوڑ دیا، شوہر کو چھوڑ دیا، باپ اور بھائی سے منھ موڑ لیا، میرے لئے دنیا اور سماج کی حیثیت کیا ہو سکتی ہے؟"

آزاد:۔ "تمہارے ان احسانات نے میرا سر جھکا دیا ہے ——!"

اندرا:۔ "یہ کہئے۔ احسان تو جب ہوتا اگر میں نے آپ سے چاہ آپ کی فرمائش پر کی ہوتی، میں نے خود سے آپ کو چاہا ہے۔ آپ سے پریم کیا ہے اب اس کا پھل اگر پھیکا ہے تو میں اس کی ذمہ دار ہوں، کڑوا ہے تو بھی وہ میرا ہی ہے۔"

آزاد:۔ "(مسکرا کر) اندرا اب تو تم خوب باتیں کرنے لگی ہو، بلبل کی طرح چہکتی ہو، یقین نہیں آتا یہ وہی اندرا ہے جو پیکر تصویر کی طرح بے زبان اور خاموش بیٹھی رہتی تھی۔

اندرا :۔ "اور کہہ لیجئے جو جی چاہے۔"

آزاد :۔ "بُرا مان گئیں تم ان ہنسی کی باتوں کا؟"

اندرا :۔ "نہیں، ——— بُرا مان ہی نہیں سکتی آپ کی باتوں کا؟"

آزاد :۔ "شکریہ، ——— اندرا اب اس دنیا سے تنگ آچکا ہوں جی بھر چکا ہے اس سے!"

اندرا :۔ "یہی حالت میری ہے۔"

آزاد :۔ "کیا یہ نہیں ہو سکتا۔ ہم تم یہاں سے، ان دنیاؤں کے درمیان سے اس فضا اور ماحول سے، اس سماج سے، اس سوسائٹی سے کہیں باہر نکل چلیں ——— ؟ اور بہت دور، اتنی دور، جہاں موت کے سوا کوئی ہمارا سراغ نہ لگا سکے۔"

اندرا :۔ (ٹھنڈی سانس بھر کر) کاش ایسا ہو سکتا؟"

آزاد :۔ "کیوں نہیں ہو سکتا ——— اگر تم چاہو؟"

اندرا :۔ (بے انتہا مسرور ہو کر) "میں نے آپ کی مرضی کے خلاف کب کچھ کیا ہے؟ جو بول آپ کے منھ سے نکلتے ہیں، وہ میری مرضی، میری پسند، میری خواہش، میری تمنا، میری زندگی بن جاتے ہیں۔ ——— چلئے ابھی چلئے۔"

آزاد :۔ "سچ؟ واقعی؟"

اندرا :۔ "چل کر دیکھ لیجئے ——— آپ اگر جہنم میں چلیں گے تو آپ کا ساتھ دینے سے اندرا نہیں ہچکچا سکتی۔"

آزاد :۔ "مجھے یقین ہے اندرا، میں جانتا ہوں، تم مجھ پر کتنا اعتماد کرتی ہو۔"

اندرا :۔ "پھر ایسی باتیں کرتے ہیں؟"

آزاد :۔ "مجھ سے غلطی ہوئی معاف کر دو۔"

اندرا :۔ (اٹھلا کر) "جائیے ہم آپ سے نہیں بولتے۔"

آزاد :۔ "خدا کے لئے ایسا نہ کہو۔ (تأثر کے عالم میں) اگر تم خفا ہو گئیں۔ تو میں پرستش کس کی کروں گا۔"

"میں خدا کس کو بناؤں جو خفا تو ہو جائے؟"

اندرا :۔ "بس الفاظ کے تو بادشاہ ہیں آپ۔"

آزاد :۔ "تمہارا مطلب یہ ہے کہ میں جو کچھ کہتا ہوں۔ کرتا نہیں۔"

اندرا :۔ "جی ہاں! میرا مطلب یہی ہے۔" (مسکراتے ہوئے)

آزاد :۔ "یقیناً! میں نے اس وقت تم سے جو کچھ کہا، وہ ممکن باتیں تھیں، حقیقت نہ تھی۔"

اندرا :۔ "(بدستور مسکراتے ہوئے) یہ آپ جانیں۔"

آزاد :۔ "(آہ سرد بھر کر) اندرا ان دنوں میں واقعی میرے اندر بہت سی تبدیلیاں ہو گئی ہیں، میں اوباش اور آوارہ تھا۔ لیکن اب پاکدامن بن چکا ہوں ——— میں شادی کے نام سے کانوں پر ہاتھ دھرتا تھا، لیکن اب میری تمنا ہے کہ کسی کو ہمیشہ کے لئے اپنا بنا لوں اور باقی ساری زندگی اس کی پوجا میں گذار دوں۔"

اندرا :۔ "تو آپ کو اس کام سے روکتا کون ہے؟ ——— کیا

آپ جسے چاہتے ہیں، وہ آپ کو نہیں چاہتی؟
کیا دنیا میں کوئی ایسی بدقسمت اور بیوقوف عورت بھی ہو سکتی ہے؟"

آزاد: "میں دنیا میں اندرا کے سوا کسی کو نہیں چاہتا اور رابعہ کے سوا کسی سے نفرت نہیں کرتا۔"

اندرا: "یہ لیجئے! رابعہ غریب نے آپ کا کیا کیا ہے؟"

آزاد: "تم نہیں جانتیں، وہ زہر کی پڑیا ہے، وہ زہر ہے، زہر ہلاہل وہ شیطان کی خالہ ہے —— تم غالباً اب کے بھی اس کے ہاں ٹھہری ہوں گی ——؟"

اندرا: "اس کے سوا اس شہر میں میرا کون ہے؟ وہی تو ایک ایسی ہستی ہے جو مجھے پناہ دیتی ہے، مجھے تسلی دیتی ہے، میرا خیال رکھتی ہے میرے ٹوٹے ہوئے دل کو جوڑتی ہے، اس کی رائے بھی آپ کے بارے میں اچھی نہیں ہے، لیکن میری خاطر سے صرف آپ پر نکتہ چینی نہیں کرتی، بلکہ جب میں آپ کے گُن گاتی ہوں، تعریفیں کرتی ہوں وہ چپ چاپ سنتی رہتی ہے، کم از کم میرے سامنے اسے بُرا نہ کہا کیجئے۔"

آزاد: "اچھی بات تمہاری خاطر سے یہ بھی کر لیں گے ؎

اس نقشِ پا کے سجدے نے کیا کیا کیا ذلیل
میں کوچۂ رقیب میں بھی سر کے بل گیا

کہو تو چل کر اس سے معافی مانگ لوں؟"

اندرا: "نہیں اس کی ضرورت بھی نہیں ہے۔"

آزاد: "تم نے تو دوسری باتیں چھیڑ دیں، میں تو اپنی کتھا کہہ رہا تھا۔"

اندرا: "میں تو سن رہی ہوں۔ آپ ہی خواہ مخواہ بیچ میں رابعہ کا ذکر لے آئے ہیں —— کہئے کیا کہہ رہے تھے؟"

آزاد: "ہاں تو اب یہ جدائی نہیں برداشت ہوتی۔"

اندرا: "میں نے پہلے بھی آپ سے کہا تھا، آج بھی کہتی ہوں اور مرتے وقت تک کہتی رہوں گی، میں آپ کی ہوں، اور آپ ہی کی مروں گی میرے دل پر آپ کے سوا، کسی کی حکومت نہیں ہو سکتی، —— لیکن"

آزاد: "وہ بھی کہہ ڈالو، —— لیکن کیا؟"

اندرا: "لیکن آپ کے پاس اگر رہوں گی تو بیوی بن کر، صرف دوست بن کر نہیں رہ سکتی!"

آزاد: "اب تو میں خود بھی یہی چاہتا ہوں!"

اندرا: "تو پھر میں آپ کی کنیز ہوں۔"

آزاد: "تمہارے ان الفاظ نے اندرا میرے اندر ایک نئی زندگی پیدا کر دی۔ ایک نیا ولولہ پیدا کر دیا —— آہ، لیکن یہ سب کچھ اس وقت ہوا جب میں دنیا سے رختِ سفر باندھ رہا ہوں، اس دنیا سے رخصت ہونے کے لئے پا بہ رکاب بیٹھا ہوں، ——!

دیکھا وقتِ نزع روئے دل آرام کو
عید آئی ذوق، وے شام کو

یہ کہتے کہتے آزاد کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے اور وہ رونے لگا۔
اندرا بے تاب ہو کر کھڑی ہو گئی۔ اس نے اپنی ساڑھی کے پلّو سے اس کے آنسو پونچھے اور بالکل قریب پہنچتے ہوئے کہا۔
آپ مرد ہو کر ہمت ہارتے ہیں، آپ میں تو میں نے وہ شکتی دیکھی ہے کہ آپ پہاڑوں سے ٹکرا سکتے ہیں، طوفانوں سے لڑ سکتے ہیں، شیر کا پنجہ مروڑ سکتے ہیں، آج آپ کو کیا ہو گیا ہے کہ آپ رو رہے ہیں؟ کیا بات ہے بتائیے تو، شاید میں آپ کی کچھ مدد کر سکوں!

آزاد: "نہیں میری کوئی بھی مدد نہیں کر سکتا، —— خدا بھی نہیں!"

اندرا: "بس آپ کی یہی باتیں مجھے ناپسند ہیں"

آزاد: "تم بھی خفا ہو جاؤ۔ یہ آخری سہارا بھی چھن جائے —— میں اب ہر بات کے لئے تیار ہوں"

اندرا: "میں کیوں خفا ہونے لگی، آخر بتائیے تو بات کیا ہے، آپ اتنے دل گرفتہ اور پریشان کیوں ہیں؟"

آزاد: "کیا کرو گی پوچھ کر؟"

اندرا: "تاکہ آپ کی مدد کر سکوں؟"

آزاد: "میں نے کہہ دیا، میری مدد کوئی نہیں کر سکتا، ہاں تم ہو"

اندرا: "اسی لئے تو پوچھ رہی ہوں"

آزاد: "لیکن تم جس طرح کی مدد کر سکتی ہو وہ تو کر رہی ہو!"

اندرا: "یعنی ——؟"

آزاد: "یعنی یہ کہ میرے پاس پہنچی! میرے ساتھ رہنے کو تیار ہو، زندگی بھر کے لئے پیمانِ وفا باندھ رہی ہو —— اس سے زیادہ تم کیا کر سکتی ہو؟"

اندرا: "سب کچھ —— آپ حکم تو دیں آپ کے لئے آسمان کے تارے توڑ کر لا سکتی ہوں"

(قہقہہ لگاتے ہوئے) کتنی اچھی ہے ہماری اندرا، —— میں جانتا ہوں واقعی میرے لئے تم سب کچھ کر سکتی ہو —— لیکن تم کیا جانو میں کس مصیبت میں گرفتار ہوں؟"

اندرا: "آپ بتائیں بھی تو!"

آزاد: "بتا بھی دوں تو بیکار ہے، تم پہلے سے زیادہ درماندہ اور پریشان ہو، پھر آپ ہی درماندہ، شفاعت کس کی کریں گے؟"

اندرا (ضد کرتے ہوئے) "میں کروں گی آپ کہہ کر تو دیکھئے"

آزاد: "تم میرے زخمِ دل کا پھاہا بن سکتی ہو، لیکن چاندی نہیں بن سکتیں تم میرے ٹوٹے ہوئے دل کو اپنی پیاری پیاری باتوں سے جوڑ سکتی ہو، لیکن سونا نہیں بن سکتیں، تم اپنی زندگی میرے لئے تج سکتی ہو ساری زندگی میرے ساتھ تکلیف اور مصیبت میں بسر کر سکتی ہو لیکن نوٹ نہیں بن سکتیں، مجھے چاندی کی ضرورت ہے سونے کی ضرورت ہے، نوٹوں کی ضرورت ہے، میں ایک کمینہ، بے وفا اور بد باطن شخص کا مقروض ہوں، اور اب انتہائی

کمینگی کے ساتھ تقاضے کر رہا ہے، مقدمہ کرنے، پولیس میں رپورٹ کرنے اور مجھے گرفتار کرانے، رسوا اور ذلیل کرنے کی دھمکی دے رہا ہے!"

اندرا:- (بیقرار ہو کر) کون ہے وہ کمبخت؟

آزاد:- وہ میری شہرت، عزت، اور منزلت میں، دھبہ لگانا چاہتا ہے، دراصل وہ میرا سیاسی حریف ہے، وہ میرا عروج نہیں دیکھ سکتا، میرا وقار اسے ایک آنکھ نہیں بھاتا۔ وہ مجھے راستہ سے ہٹانا چاہتا ہے، اسی لئے اس نے پہلے دوست بن کر ایک سود خور سنار سے مجھے روپیہ تو خود دلوایا، اور اب نشتر بن کر میری جان اور آبرو کا گاہک ہو رہا ہے۔"

اندرا:- وہ کیا چاہتا ہے؟"

آزاد:- روپیہ ———— میں مہلت مانگتا ہوں، مگر، کسی قیمت پر مہلت نہیں دیتا، غور تو کرو ۲۵ ہزار روپیہ ۲۴ گھنٹہ میں کس طرح مہیا ہو سکتا ہے، ایک مہینے کی مہلت بھی مل جائے تو میں ۲۵ لاکھ روپے کا ڈھیر کر سکتا ہوں، لیکن اس کا مقصد روپیہ لینا نہیں، میری جان لینا ہے، میں نے بھی طے کر لیا ہے، خودکشی کر لوں گا مگر گرفتار نہیں ہوں گا۔ اس وقت میں دل سے تمہیں یاد کر رہا تھا کہ آخری وقت تمہارا دیدار کر لوں، تم سے باتیں کر لوں، مگر خدا کا شکر ہے حسرت پوری ہو گئی تم آ گئیں، تمہیں ہم نے دیکھ لیا۔ تم سے باتیں کر لیں تمہیں پا لیا۔ اب اور کیا چاہئے؟

اندرا:- لیکن سنئے تو ————"

آزاد:- میں موت سے نہیں ڈرتا، کبھی نہیں ڈرا، اب کیا ڈروں گا، لیکن آج اگر تم نہ آتیں تو شاید موت کا فرشتہ مجھے اپنے مقابلے میں سب سے زیادہ بزدل جانتا۔"

اندرا:- ہائے! ——— یہ آپ کیا کر رہے ہیں؟

آزاد:- ہاں اندرا! اب میں اس سے لڑ سکتا ہوں، پنجہ لڑا سکتا ہوں۔ آنکھیں ملا سکتا ہوں، اب وہ اپنے مقابلے میں مجھے سب سے زیادہ بہادر اور نڈر آدمی جانے گا۔ اب میں اس سے نہیں ڈرتا۔ اب میں خوشی سے اس کا استقبال کروں گا۔

اندرا:- یہ سب کچھ کیجئے۔ لیکن پہلے مجھے تو ہلاک کر دیجئے، میری زندگی میں آپ یہ کچھ نہیں کر سکتے۔"

آزاد:- (جوش کے عالم میں) "نہیں اندرا خدا کے لئے ایسی باتیں نہ کرو میں اب زندہ نہیں رہ سکتا، تمہاری مسیحائی ہی بہت ہے کہ اتنی دیر تک تم نے مجھے زندہ رکھا۔ ورنہ شاید اب تک میں اس جہان سے گزر چکا ہوتا۔"!

اندرا:- آپ تو اپنی کہے جا رہے ہیں۔ میری سنتے ہی نہیں۔"

آزاد:- ہاں اندرا یہی بات ہے، جی چاہتا ہے جی بھر کے آج تم سے باتیں کر لوں، پھر تم کہاں، اور میں کہاں؟ ہم کہاں، اور یہ باتیں یہ فضا، یہ ماحول، یہ پیمان وفا، یہ دلداری اور پرستش کہاں

غنیمت جانتے مل بیٹھنے کو !
جدائی کی گھڑی سر پر کھڑی ہے
—— اندرا ! اب تم جاؤ ——"

اندرا :۔" میں نہیں جاؤں گی !"

آزاد :۔" جاؤ میرے راستے کا پتھر نہ بنو، مجھے اطمینان سے مرنے دو وہ کمینہ تھوڑی دیر میں آتا ہوگا۔ اور میں نہیں چاہتا کہ وہ آئے اور تجھے زندہ دیکھکر طنز و تعریض کی باتیں کرے، یا مجھے پولیس کے حوالے کر دے —— دیکھو! زمانہ کا انقلاب دیکھو! جس پولیس سے میں آنکھ مچولی کھیلتا رہا ہوں —— آج اس سے ڈر رہا ہوں۔ ہونا کیا چاہئے۔ پہلے پولیس مجھے گرفتار کرتی تھی ایک ہیرو کی طرح، آج میں گرفتار ہوں گا ایک چور کی طرح کتنا بڑا فرق ہے دونوں حیثیتوں میں ؟ —— نہیں یہ نہیں ہو سکتا، میں گرفتار نہیں ہو سکتا، مروں گا، —— اندرا خدا حافظ جاؤ! سدھارو، الوداع، ہمیشہ ہمیشہ کے لئے رخصت ——

یہ کہتے کہتے آزاد کی آنکھیں ڈبڈبا آئیں، اندرا نے اسے تسلی دیتے ہوئے کہا۔

"آپ تو خواہ مخواہ ہراساں ہو رہے ہیں۔ آدمی کو اتنا بھی دل چھوٹا نہ کرنا چاہئے !"

آزاد :۔" پھر کیا کروں ؟ —— کیا تم پچاس ہزار روپیہ دے سکتی ہو ——؟"

اندرا :۔" ہاں ! دے سکتی ہوں، پچاس ہزار روپے دے سکتی ہوں۔"

آزاد :۔" کیا آج ہی ؟"

اندرا :۔" جی ہاں آج —— دو گھنٹہ کے اندر۔"

آزاد :۔ (ٹھنڈا سانس بھر کر) "نہیں اندرا! میں تم سے روپیہ نہیں لے سکتا

اندرا :۔" (تیوری پر بل ڈال کر) "کیوں ؟ وجہ ؟"

آزاد :۔" یہ میری محبت کی توہین ہے۔"

اندرا :۔ نہیں ! یہ آپ کی محبت کی نہیں، میرے خلوص کی توہین ہے میں نے آپ سے بہت سی راحتیں پائیں۔ لیکن اس کی توقع مجھے ذرا بھی نہ تھی۔"

یہ کہتے کہتے اندرا کی آنکھیں بھر آئیں۔ وہ رونے لگی۔

آزاد نے اسے روتے دیکھا تو بیقرار ہو گیا۔

خدا کے لئے اندرا مجھ پر رحم کرو !"

اندرا :۔" کاش آپ بھی رحم کرنا جانتے ہوتے !"

آزاد :۔" بہت جلد خفا ہو جاتی ہو تم تو !"

اندرا :۔" آپ نے خفا کرنے کے سوا اور سیکھا ہی کیا ہے"

آزاد :۔ اب کبھی ایسی غلطی نہ ہوگی، معاف کر دو !"

اندرا :۔" تو پھر پہلے اجازت دیجئے روپیہ لے آؤں جا کر۔"

آزاد:۔ "تم سے تو بات کرتے ڈر لگتا ہے، میں کچھ نہیں جانتا، جو تمہارا جی چاہے کرو ——— تم سے یہ توقع ہی کب ہے۔ کہ میری بات مانو گی، ہمیشہ سے ضد کا پوری ہو، وہی کرو گی جو تمہاری مرضی ہوگی۔ جو تمہارا جی چاہے گا۔ ہم نے بھی سوچ لیا ہے ؎

ہم بھی تسلیم کی خو ڈالیں گے
بے نیازی تری عادت ہی سہی"

اندرا خوش ہو گئی۔ وہ مسکرائی۔ اس نے شکر گزار اور ممنون نگاہوں سے آزاد کو دیکھا، کچھ اٹھلاتی ہوئی، کچھ نازاں، کچھ مسرور اپنی جگہ سے اٹھی، شوخ نگاہوں سے آزاد کو دیکھا، اور تبسم کی بجلیاں گراتی ہوئی چلی گئی۔"

انیسواں باب (۱۹)

اندرا نے اس مرتبہ پھر دھوکا کھایا ——— اس نے پچاس ہزار روپے لاکر آزاد کے قدموں پر ڈھیر کر دیئے، یہ اس کی ساری پونجی تھی باپ کے گھر بھائی سے بچھڑ کر، شوہر سے ٹوٹ کر جب وہ پونہ سے بمبئی آئی تھی۔ تو اس کے پاس پچیس تیس ہزار نقد روپیہ تھا، اور تقریباً اسی مالیت کا زیور کوشلیا جب اسے اپنے ساتھ ناسک لے جانے لگی تھی تو یہ پونجی بدستور وہ رابعہ کے پاس امانت چھوڑ گئی تھی، آج یہ بھی کام آگئی، اس نے رابعہ سے اپنی امانت واپس لی، زیور فروخت کیا اور رقم لاکر آزاد کو دیدی۔ آزاد نے ظاہری تکلف سے تھوڑی دیر کام لینے کے بعد رقم لے لی، اندرا یہ سمجھی اسے دولت کونین مل گئی، رقم لینے کے بعد آزاد نے اندرا سے کہا :۔

تم نے مجھے نئی زندگی دی ہے۔ اب تک میں تمہارا عاشق تھا، آج سے ممنون احسان بھی ہوں۔ اب ہماری زندگی کا نیا اور شاندار دور شروع ہوگا۔ لیکن یہ قرض کی رقم ادا کرنے کے بعد، میں ایک مصلحت سے، دو تین ماہ کے لئے بمبئی سے باہر جا رہا ہوں، وہاں سے واپس آکر یا تو سیدھا ناسک پہنچوں گا، اور تمہیں لے آؤں گا یا تمہیں بمبئی بلا لوں گا۔ بہرحال پھر ہماری جدائی ختم ہو جائے گی، اور نہ ختم ہونے والے ملاپ کا دور شروع ہوگا۔

اندرا بھولی بھالی تو تھی ہی، پھر اس کے فریب میں آگئی وہ خوش خوش ناسک چلی گئی اور اپنے محبوب کا انتظار کرنے لگی اور اس کا محبوب اُسے بیوقوف بنا کر بھول بھی گیا، وہ کون تھی؟ کیا تھی؟ کیوں آئی تھی، کتنا بڑا احسان کیا تھا اس نے؟

آزاد ایک دن کے لئے بھی بمبئی سے باہر نہیں گیا، اس نے دستور کی رقم دے کر اسے خرید لیا، دستور نے اس رقم سے پھر تھیٹر کے نام سے ایک دوکان کھول لی اور عالیہ کا شہزادہ پھر دستور کا سرپرست بن گیا، آزاد یہاں رنگ رلیاں منا رہا تھا۔

اور اندرا وہاں اس کے انتظار میں دن گن رہی تھی وہ دو مرتبہ بمبئی آئی۔ مگر آزاد سے ملاقات نہ ہو سکی، وہ اپنی قیام گاہ پر ملا ہی نہیں۔ اس مرتبہ وہ چٹھی چھوڑ گئی کہ کل پھر اسی وقت آؤں گی، وہ آئی، مگر آزاد نہ ملا، اور نہ اس کا کوئی جواب، پیرے سے ہی معلوم ہوا۔ رات صاحب بہت دیر سے

آیا تھا۔ ایک ایکٹرس بھی اس کے ساتھ تھی۔ خوب ہی دونوں نے شراب پی اور ناشتہ کر کے چلا گیا۔ اب نہیں معلوم کب آئے گا۔ کبھی کئی کئی دن نہیں آتا، یہ باتیں سن کر اندرا کے زخمی، کمزور اور بے سہارا دل پر چوٹ لگی، وہ دونوں ہاتھوں سے کلیجہ دبا کے ناسک پہنچی اس کی خوشی پھر چھن چکی تھی۔ اس کی امیدوں کا چمن پھر ویران ہو چکا تھا، اس کی آشائیں اور تمنائیں پھر پامال ہو چکی تھیں، اس کی حسرتیں اور ولولے دفن ہو چکے تھے، اب وہ تنہا تھی، تنہا بے یار و مددگار، اس نے آزاد کو ناسک سے کئی خط لکھے رحم کی اپیل کی، لیکن کوئی شنوائی نہ ہوئی، آزاد نے کسی خط کا جواب نہ دیا، پلٹ کر کبھی اس کی بات نہ پوچھی، اسے اندرا کی تھوڑی دیر کے لئے ضرورت تھی ہمیشہ کے لئے نہیں، تھوڑی دیر کے لئے، اس نے اپنا کام چلا لیا زندگی بھر کے لئے، اس بکھیڑے میں وہ کیوں پھنستا، اندرا اس مرتبہ ایسی گری کہ پھر نہ اٹھ سکی، اسے بخار رہنے لگا ——— اور اس بخار نے بہت جلد دق کی صورت اختیار کر لی، لیکن وہ خاموش تھی اور اپنے غم کی کہانی، کسی سے نہیں کہہ سکتی، نہ کوشلیا کو رازدار بنا سکتی تھی، نہ رابعہ کو، دونوں سے اسے دل دہی کی اتنی توقع نہ تھی جتنی ملامت کی، نقصان مایہ کے بعد، وہ شماتت ہمسایہ کا سامنا نہیں کرنا چاہتی تھی، دل کا داغ دل میں چھپائے ہوئے تھی کبھی کبھی سوز و درد سے بھرے ہوئے خط آزاد کو لکھ دیتی تھی۔ کہ شاید اس ظالم کو رحم آجائے، مگر اس کا یہ حال تھا کہ وہ لفافے کے پیتے پر اندرا کا سوادِ خط دیکھ کر تیوری پر بل ڈال لیتا تھا اور اسے ردی